اَللّٰهُ نَزَّلَ اَحْسَنَ الْحَدِيْثِ

نضر الله امرأ سمع منا حديثاً فحفظه حتى يبلغه

ربیع الثانی ۱۴۲۷ھ مئی 2006ء

حضرو، اٹک : پاکستان

کلمۃ الحدیث

فضل اکبر کاشمیری

حدیث وحی ہے

اللہ تعالیٰ نے مختلف ادوار میں مختلف اقوام کی طرف اُن کی زبانوں کے مطابق اور اُن کی شریعتوں کے موافق انبیائے کرام علیہم السلام کو کتابیں دے کر مبعوث فرمایا۔ مالکِ کائنات نے صرف آسمانی کتابیں نازل کرنے پر اکتفا نہیں کیا بلکہ ہمیشہ آسمانی کتاب کے ساتھ اپنا نمائندہ ضرور بھیجا۔ ایسی ایک بھی آسمانی کتاب نہیں ہے جس کو کسی نبی کے بغیر نازل کیا گیا ہو۔ رسول اللہ ﷺ کی بعثت کی غرض وغایت قرآنی آیات کی تشریح اور وضاحت ہے۔ اللہ فرماتا ہے:
﴿وَاَنْزَلْنَآ اِلَیْکَ الذِّکْرَ لِتُبَیِّنَ لِلنَّاسِ مَانُزِّلَ اِلَیْھِمْ وَ لَعَلَّھُمْ یَتَفَکَّرُوْنَ﴾ اور ہم نے آپ کی طرف یہ ذکر (قرآن) نازل کیا ہے تاکہ آپ، لوگوں کو بیان کردیں جو کچھ ان کی طرف نازل کیا گیا ہے اس لئے کہ وہ اس میں غور و فکر کریں۔ [النحل:۴۴] اس آیت میں لتبین کا 'ل' غایت کے لئے ہے۔ معلوم ہوا کہ بیان قرآن سے الگ چیز کا نام ہے اور وہ ہے حدیث۔ نبی کریم ﷺ وحی کی روشنی میں انسانوں کی تربیت فرماتے تھے۔ وحی کی دو اقسام ہیں۔
(۱) وحی متلو یعنی وحی جلی (۲) وحی غیر متلو یعنی وحی خفی۔ اول الذکر سے مراد قرآن ہے اور ثانی الذکر کو نبی ﷺ کی احادیث کہا جاتا ہے اور یہ دونوں حجت شرعیہ ہیں۔ مالکِ ارض وسماء فرماتا ہے: ﴿هُوَ الَّذِیْٓ اَنْزَلَ اِلَیْكُمُ الْكِتٰبَ مُفَصَّلًا ۭ﴾ اسی نے پوری تفصیل کے ساتھ تمہاری طرف کتاب نازل کی ہے۔ (الانعام:۱۱۴)
آیت مقدسہ میں لفظ ''مفصلاً'' الکتاب سے حال بن رہا ہے اور علمائے عربیت کے قاعدہ کے مطابق حال اور ذوالحال میں مغایرت ہوتی ہے۔ لہٰذا ''تفصیل'' اور ''الکتاب'' دو الگ الگ چیزیں ہیں اور دوسری چیز کا اصطلاحی نام حدیث ہے۔
ایک اور مقام پر اللہ کا ارشاد ہے: ﴿ثُمَّ اِنَّ عَلَیْنَا بَیَانَهٗ ؕ﴾ پھر اس کا واضح کردینا ہمارے ذمہ ہے۔ [القیٰمۃ:۱۹]
اس آیت مبارکہ میں عربی گرامر کے لحاظ سے ثم تراخی کے لئے ہے کہ اللہ نے قرآن نازل فرمایا پھر اس کا بیان اتارا۔ یعنی حدیث بھی من جانب اللہ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کو وحی کی اتباع کرنے کا حکم دیا تھا، ملاحظہ فرمائیے۔ الانعام:۵۰، الاعراف:۲۰۳، یونس:۱۰۹، الاحزاب:۲، الاحقاف:۹۔ محمد عربی ﷺ نے اپنی پوری نبوت کی زندگی میں اس وحی کے موافق جو اعمال کئے ہیں وہ بھی وحی ہے اور وہ تمام اعمال احادیث میں موجود ہیں، یہ بالکل اس مسئلہ میں قطعی دلیل ہے۔ مندرجہ بالا آیات بینات صریح دلالت کرتی ہیں کہ احادیث صحیحہ بھی وحی میں داخل ہیں اور منزل من اللہ ہیں۔
مشہور تابعی حسان بن عطیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''**کان جبریل ینزل علیٰ رسول اللہ ﷺ بالسنّة کما ینزل علیه بالقرآن ویعلّمه إیاها کما یعلّمه القرآن** '' ''رسول اللہ ﷺ پر جبریل اس طرح سنت (حدیث) لے کر اُترتے تھے جس طرح قرآن لے کر اترتے تھے اور آپ کو اس (سنت) کی اس طرح تعلیم دیتے تھے جس طرح قرآن سکھاتے تھے۔ (السنۃ لمحمد بن نصر المروزی:۱۰۲ وسندہ صحیح) حدیث کے وحی غیر متلو ہونے پر علما کے اقوال کے لئے دیکھئے فتح الباری (۱۵/۴ تحت ح ۱۸۱۴) الاحکام لابن حزم (۵۰۹/۲) الاحکام للآمدی (۱۶۲/۳)

فقہ الحدیث

حافظ زبیر علی زئی

نیکی اور گناہ

أضواء المصابیح في تحقیق مشکوۃ المصابیح

(۴۵) وعن أبي أمامة أن رجلاً سأل رسول الله صلی الله علیه وسلم بما الإیمان ؟ قال :إذا سرتك حسنتك وساء تك سیئتك فأنت مؤمن ،قال :یارسول الله ! فما الإثم؟ قال :إذا حاك في نفسك شيئ فدعه ، رواہ أحمد .

(سیدنا) ابوامامہ (رضی اللہ عنہ) سے روایت ہے کہ ایک آدمی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا: ایمان کیا ہے؟ آپ نے فرمایا: جب تمھیں تمھاری نیکی اچھی لگے اور برائی بری محسوس ہو تو پھر تم (کامل) مومن ہو، اس نے کہا: یا رسول اللہ! گناہ کیا ہے؟ آپ نے فرمایا: تمھارے دل میں اگر کوئی چیز کھٹک جائے تو اسے چھوڑ دو۔ اس (حدیث) کو احمد (بن حنبل رحمہ اللہ) نے (اپنی کتاب المسند ج ۵ ص ۲۵۱ ح ۲۲۵۱۹ میں) روایت کیا ہے۔

تحقیق وتخریج: صحیح ہے۔

اسے ابن حبان (الاحسان: ۱۷۶، الموارد: ۱۰۳) حاکم (المستدرک ۱/۱۴، ۲/۱۳، ۴/۹۹) بیہقی (شعب الایمان: ۵۷۴۶، ۶۹۹۰، ۶۹۹۱) ابن مندہ (کتاب الایمان: ۱۰۸۸) قاضی محمد بن سلامہ القضاعی (مسند الشہاب: ۴۰۲) عبدالرزاق (المصنف: ۲۰۱۰۴ نسخہ جدیدہ: ۲۰۲۷۳) اور طبرانی (المعجم الکبیر: ۷۵۳۹، المعجم الاوسط: ۳۱۰۷) نے یحییٰ بن ابی کثیر عن زید بن سلام (ممطور) عن ابی امامہ (رضی اللہ عنہ) کی سند سے روایت کیا ہے۔

یحییٰ بن ابی کثیر ثقہ ثبت ہونے کے ساتھ ساتھ مدلس بھی تھے۔ (دیکھئے میری کتاب الفتح المبین فی تحقیق طبقات المدلسین: ۲/۶۳) دارقطنی نے فرمایا: ''معروف بالتدلیس'' آپ تدلیس کے ساتھ مشہور ہیں۔ (العلل الواردۃ ۱۱/۱۲۴ سوال: ۲۱۶۳)

زید بن سلام کے بھائی اور ممطور ابوسلام کے پوتے معاویہ بن سلام (ثقہ) نے کہا: یحییٰ بن ابی کثیر نے مجھ سے میرے بھائی زید بن سلام کی کتاب لی تھی۔ (تاریخ ابی زرعہ الدمشقی: ۸۰۹ وسندہ صحیح) امام یحییٰ بن معین نے فرمایا: ''**لم یلق یحیی بن أبي کثیر زید بن سلام ، وقدم معاویة بن سلام علیهم ،فلم یسمع یحیی بن أبي کثیر ، أخذ کتابه عن أخیه ولم یسمعه ، فدلسه عنه**'' یحییٰ بن ابی کثیر نے زید بن سلام سے ملاقات نہیں کی۔ معاویہ بن سلام ان کے پاس آئے۔ یحییٰ بن ابی کثیر نے (زید بن سلام سے) نہیں سنا، اس کی کتاب اس کے بھائی سے لے لی اور اُس سے کچھ نہیں سنا پھر اس سے تدلیس کی۔ (تاریخ ابن معین، روایۃ الدوری: ۳۹۸۳)

معلوم ہوا کہ یحییٰ بن ابی کثیر نے زید بن سلام سے کچھ نہیں سنا بلکہ اس کی کتاب سے روایت کرتے تھے۔ کتاب سے

روایت کرنا قولِ راجح میں صحیح ہے بشرطیکہ کتاب کی سند میں طعن ثابت نہ ہو۔ یہاں تو واسطہ بین الکتاب ثقہ ہے لہٰذا یہ روایت زید بن سلام سے ثابت ہے، باقی سند صحیح ہے۔

اس روایت کے صحیح مسلم (۲۵۵۳) وسنن الترمذی (۲۱۶۵ وقال: ''حسن صحیح غریب'') وغیرہما میں شواہد بھی ہیں۔

فقہ الحدیث:

۱: طیبی شارحِ مشکوٰۃ کہتے ہیں کہ: اگر آپ نیکی کر کے خوش ہوں کہ اس پر ثواب ملے گا اور گناہ کے بعد پریشان ہو جائیں (کہ اس پر عذاب ملے گا) تو یہ اللہ اور قیامت پر ایمان لانے کی علامت ہے۔ (مرعاۃ المفاتیح ۱/۱۱۶)

۲: اس حدیث میں ''فأنت مؤمن'' پس تم مومن ہو، سے مراد کامل الایمان ہے۔

۳: جن کاموں کی واضح حرمت شریعت میں مذکور نہیں ہے لیکن ان کی حلت وحرمت میں شک رہتا ہے تو ایسے تمام مشکوک امور سے مکمل اجتناب کرنا ایمان کی علامت ہے۔

۴: جو امور شریعت مطہرہ سے ثابت ہیں ان پر عمل کرنا باعث ثواب اور ایمان کی علامت ہے، چاہے دل پسند کرے یا نہ کرے۔

۵: جس طرح انسان میٹھی چیزوں کو پسند اور کڑوی چیزوں کو ناپسند کرتا ہے اسی طرح اہل ایمان کی دلی کیفیت یہ ہوتی ہے کہ وہ نیکیوں سے محبت اور برائیوں سے نفرت کرتے ہیں۔ رہے منافقین، کفار اور گناہ گار لوگ تو یہ نیکیوں سے دوری اور برائیوں سے قربت ومحبت اختیار کرتے ہیں۔ اس طرح دل پر سیاہ دھبے لگتے جاتے ہیں حتیٰ کہ ایک دن سارا دل ہی سیاہ ہو کر اپنے رب کا مکمل نافرمان بن جاتا ہے۔ یہی لوگ دنیا وآخرت میں سخت نقصان اٹھانے والوں میں سے ہیں۔

(۴۶) وعن عمرو بن عبسة قال أتيت رسول الله ﷺ فقلت يا رسول الله ! من معك على هذا الأمر ؟ قال : حر و عبد ، قلت ما الإسلام؟ قال طيب الكلام و اطعام الطعام، قلت ما الإيمان؟ قال الصبر و السماحة ، قال قلت أي الإسلام أفضل؟ قال من سلم المسلمون من لسانه ويده ، قال قلت أي الإيمان أفضل؟ قال خلق حسن ، قال قلت: أي الصلوٰة أفضل؟ قال طول القنوت ، قال قلت أي الهجرة أفضل؟ قال أن تهجر ما كره ربك ، قال قلت : فأي الجهاد أفضل؟ قال من عقر جواده و أهريق دمه ، قال قلت : أي الساعات أفضل؟ قال جوف الليل الآخر ۔ رواه أحمد ۔

(سیدنا) عمرو بن عبسہ (رضی اللہ عنہ) سے روایت ہے کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس (اسلام کے ابتدائی زمانے میں) آیا تو پوچھا: اس دین پر آپ کے ساتھ کون کون ہے؟ آپ نے فرمایا: ایک آزاد مرد (ابوبکر رضی اللہ عنہ) اور ایک غلام (زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ) میں نے پوچھا: اسلام کیا ہے؟ آپ نے فرمایا: اچھا کلام کرنا اور (غریب وامیر کو) کھانا کھلانا۔

میں نے پوچھا: ایمان کیا ہے؟ آپ نے فرمایا: صبر اور فراخ دلی۔ میں نے پوچھا: کون سا اسلام افضل ہے؟ آپ نے فرمایا: جس کی زبان اور ہاتھ سے مسلمان محفوظ رہیں۔ میں نے پوچھا: کون سا ایمان افضل ہے؟ آپ نے فرمایا: اچھا اخلاق۔ میں نے پوچھا: کون سی نماز افضل ہے؟ آپ نے فرمایا: لمبے قنوت (قیام) والی۔ میں نے پوچھا: کون سی ہجرت افضل ہے؟ آپ نے فرمایا: جسے تیرا رب ناپسند کرے تو اُسے چھوڑ دے۔ میں نے پوچھا: کون سا جہاد افضل ہے؟ آپ نے فرمایا: جس کا گھوڑا کاٹ دیا جائے اور اس کا اپنا خون بہا دیا جائے (یعنی شہید ہو جائے) میں نے پوچھا: (عبادت کے لئے) کون سا وقت افضل ہے؟ آپ نے فرمایا: رات کا آخری حصہ۔

اسے احمد (۳۸۵/۴ ح ۱۹۶۵۵) نے روایت کیا ہے۔

تحقیق وتخریج: اس کی سند ضعیف ہے۔

اسے امام احمد کے علاوہ ابن ماجہ (۲۷۹۴ مختصراً جداً) اور عبد بن حمید (المنتخب: ۳۰۰ مطولاً) نے حجاج بن دینار عن محمد بن ذکوان عن شہر بن حوشب عن عمرو بن عبسہ رضی اللہ عنہ کی سند سے روایت کیا ہے۔ یہ سند دو وجہ سے ضعیف ہے۔

① محمد بن ذکوان المصری الازدی: ضعیف ہے (دیکھئے تقریب التہذیب: ۵۸۷۱)

② یہ سند منقطع ہے۔ ابو حاتم الرازی نے فرمایا کہ: شہر بن حوشب نے عمرو بن عبسہ سے (کچھ) نہیں سُنا۔ (کتاب المراسیل لابن ابی حاتم ص ۸۹) یہی بات ابو زرعہ الرازی نے بھی فرمائی ہے۔

تنبیہ (۱): راقم الحروف نے ''تسہیل الحاجۃ فی تحقیق سنن ابن ماجہ'' میں ابن ماجہ والی مختصر روایت ''أي الجهاد أفضل؟ قال: من أهريق دمه وعقر جواده'' کو شواہد کی وجہ سے صحیح قرار دیا ہے۔ (تسہیل الحاجۃ قلمی ص ۲۲ ح ۲۷۹۴) کیونکہ سنن ابی داود (۱۴۴۹) میں اس متن کا ایک حسن (لذاتہ) شاہد ہے۔

تنبیہ (۲): سیدنا عمرو بن عبسہ رضی اللہ عنہ کی سیرت سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس اسلام کے ابتدائی دور میں آئے تھے اور اسلام قبول کر کے چلے گئے تھے پھر اسلام کے غلبے اور جہاد کی برکات کے بعد مدینہ تشریف لائے۔ محمد بن ذکوان راوی نے اپنے ضعف کی وجہ سے روایت کا متن گڈ مڈ کر دیا ہے جس میں بالکل ابتدائی دور میں جہاد اور نماز وغیرہ کا ذکر کر دیا ہے۔

تنبیہ (۳): جس روایت کا ضعیف ہونا ثابت ہو جائے تو پھر اس کے فوائد وفقہ الحدیث لکھنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔

(۴۷) وعن معاذ بن جبل رضي الله عنه قال: سمعت رسول الله ﷺ يقول: من لقي الله لايشرك به شيئاً ويصلّي الخمس ويصوم رمضان ، غفرله، قلت: أفلا أبشرهم يا رسول الله؟ قال: دعهم يعملوا، رواه أحمد۔

(سیدنا) معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ: جو شخص

(اس حالت میں) اللہ سے ملاقات کرے کہ وہ شرک نہ کرتا تھا، پانچ نمازیں پڑھتا اور رمضان کے روزے رکھتا تھا (تو) اسے بخش دیا جائے گا۔ میں نے کہا: یا رسول اللہ! کیا میں لوگوں کو خوش خبری نہ دے دوں؟ آپ نے فرمایا: انھیں چھوڑو وہ عمل کرتے رہیں، اسے احمد (۲۳۴/۵ ح ۲۲۳۷۸) نے روایت کیا ہے۔

تحقیق وتخریج: صحیح ہے۔

اس روایت کو ترمذی (۲۵۳۰) نے بھی زید بن اسلم عن عطاء بن یسار عن معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کی سند سے بیان کیا ہے۔ یہ سند انقطاع کی وجہ سے ضعیف ہے۔ عطاء بن یسار (تابعی رحمہ اللہ) کی سیدنا معاذ رضی اللہ عنہ سے ملاقات ثابت نہیں ہے۔ لیکن صحیح بخاری (۷۴۲۳) ومسند احمد (۳۳۵/۲، ۳۳۹) وغیرہما میں اس حدیث کے شواہد ہیں جن کی بنا پر یہ روایت صحیح لغیرہ ہے۔

نیز دیکھئے اضواء المصابیح: ۲۵، ۲۷، ۲۹ والحدیث: ۱۷ص ۴، ۵، الحدیث: ۱۸ص ۲، ۳

(۴۸) وعنه أنه سأل النبي صلى الله عليه وسلم عن أفضل الإيمان؟ قال: أن تحب لله وتبغض لله وتعمل لسانك في ذكر الله، قال: وما ذا يا رسول الله! قال: أن تحب للناس ماتحب لنفسك، وتكره لهم ما تكره لنفسك، رواه أحمد.

اور انھیں (سیدنا معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ) سے روایت ہے کہ انھوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے افضل ایمان کے بارے میں پوچھا؟ آپ نے فرمایا: تو اللہ کے لئے محبت کرے اور اللہ کے لئے بغض کرے اور اپنی زبان کو اللہ کے ذکر میں مصروف رکھے۔ انھوں نے پوچھا: یا رسول اللہ یہ کیا ہے؟ آپ نے فرمایا: تم لوگوں کے لئے وہی پسند کرو جو اپنے لئے پسند کرتے ہو اور لوگوں کے لئے وہی ناپسند کرو جو اپنے لئے ناپسند کرتے ہو۔ اسے احمد (۲۴۷/۵ ح ۲۲۴۸۱) نے روایت کیا ہے۔

تحقیق وتخریج: اس کی سند ضعیف ہے۔ اس سند کے دو راوی ضعیف ہیں:

① رشدین بن سعد ضعیف ہے۔ (دیکھئے تقریب التہذیب: ۱۹۴۲)

② زبان بن فائد صالح اور عابد ہونے کے باوجود حدیث میں ضعیف ہے۔ (دیکھئے تقریب التہذیب: ۱۹۷۵)

تنبیہ: الموسوعۃ الحدیثیہ (ج ۳۶ ص ۴۴۵) میں اس ضعیف روایت کے کچھ شواہد مذکور ہیں جو اس روایت سے بے نیاز کر دیتے ہیں۔ والحمد للہ

اعلان

حافظ زبیر علی زئی کا تحقیقی مضمون ''امام احمد بن حنبل کا مقام، محدثین کی نظر میں'' اگلے شمارے (۲۵) میں ملاحظہ فرمائیں۔

ان شاء اللہ العزیز　　فضل اکبر کاشمیری

ترجمہ و فوائد: حافظ ندیم ظہیر

فضائل اعمال

فرض نماز کے بعد اذکار کی فضیلت

(۷۷) سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ فقرائے مہاجرین رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر کہنے لگے: اے اللہ کے رسول! مالدار لوگ اعلیٰ درجہ اور ہمیشہ کی نعمتوں میں چلے گئے۔ آپ نے فرمایا: وہ کیسے؟ انہوں نے کہا: وہ ہماری طرح نماز پڑھتے ہیں، ہماری طرح روزے رکھتے ہیں اور وہ صدقات (وخیرات) دیتے ہیں اور ہم صدقات نہیں دے سکتے اور وہ (غلام) آزاد کرتے ہیں اور ہم آزاد نہیں کر سکتے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیا میں تمھیں ایسی چیز نہ سکھاؤں کہ جس کے ذریعے تم اپنے سے سبقت لے جانے والوں کو پالو اور اپنے بعد آنے والوں سے آگے بڑھ جاؤ اور تم سے زیادہ افضل کوئی نہ ہو سوائے اس کے جو تمھارے جیسے ہی عمل کرے؟۔ انہوں نے عرض کیا: کیوں نہیں اے اللہ کے رسول! آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم ہر نماز کے بعد ۳۳، ۳۳ مرتبہ **سبحان اللہ ، الحمد للہ** اور **اللہ اکبر** پڑھا کرو۔

(راویٔ حدیث) ابو صالح نے کہا: فقرائے مہاجرین (دوبارہ) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور عرض کیا: ہمارے مالدار بھائیوں نے (بھی یہ) سن کر ہماری طرح کے اعمال (شروع کر دیئے) ہیں، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

﴿ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ﴾ یہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے جسے چاہے عطا کرے [المآئدۃ:۵۴]

(صحیح بخاری: ۸۴۳، صحیح مسلم: ۵۹۵)

فوائد: ایک دوسری روایت میں ''اللہ اکبر'' چونتیس مرتبہ کہنے کا بھی ذکر آیا ہے، جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: فرض نماز کے بعد پڑھے جانے والے کچھ کلمات ایسے ہیں کہ ان کو پڑھنے یا کرنے والا کبھی نامراد نہیں ہوتا ۳۳ مرتبہ ((سُبْحَانَ اللّٰهِ)) ۳۳ مرتبہ ((اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ)) ۳۴ مرتبہ ((اَللّٰهُ اَكْبَرُ)) کہنا۔ (صحیح مسلم: ۵۹۶)

فرض نماز کے بعد اذکار کی فضیلت میں کافی احادیث ہیں۔ جن میں سے چند ایک تو اس حدیث کے متصل بعد ہی درج ہیں اور کچھ بطور فوائد ہم ذکر کئے دیتے ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص ہر نماز کے بعد آیۃ الکرسی پڑھے تو اس کو جنت میں داخل ہونے سے موت کے سوا کوئی چیز نہیں روک سکتی۔

(عمل الیوم واللیلۃ للنسائی: ۱۰۰ وسندہ حسن، الترغیب والترہیب للمنذری ۲/۴۴۸ ح ۲۲۷۳، طبع دار ابن کثیر، بیروت)

سیدنا معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میرا ہاتھ پکڑا پھر فرمایا: ''اے معاذ! اللہ کی قسم، میں تجھ سے محبت کرتا ہوں''۔ معاذ رضی اللہ عنہ نے کہا: میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں اے اللہ کے رسول! اللہ کی قسم میں

بھی آپ سے محبت رکھتا ہوں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: اے معاذ! میں تجھے وصیت کرتا ہوں کہ ہر نماز کے بعد ''اَللّٰھُمَّ اَعِنِّيْ عَلٰی ذِکْرِكَ وَ شُکْرِكَ وَحُسْنِ عِبَادَتِكَ'' پڑھنا کبھی نہ چھوڑنا۔

(عمل الیوم واللیلۃ للنسائی: ۱۰۹ واللفظ لہ، ابوداود: ۱۵۲۲ واسنادہ صحیح)

بعض روایات میں ''اللھم'' کے بجائے ''رَبِّ'' کے الفاظ ہیں۔ واللہ اعلم

سیدنا عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ، رسول اللہ ﷺ نے مجھے حکم دیا کہ میں ہر نماز کے بعد معوذتین (قل اعوذ برب الفلق اور قل اعوذ برب الناس) پڑھا کروں۔ (سنن ابی داود: ۱۵۲۳ واسنادہ حسن)

مذکورہ بالا احادیث سے نماز کے بعد اذکار کی اہمیت وفضیلت واضح ہو رہی ہے لہٰذا ہمیں نماز کے بعد تمام ''مسنون اذکار'' یاد کر کے ان پر عمل پیرا ہونا چاہیے جو کہ آہستہ آہستہ عام مسلمان بُھلا رہے ہیں۔ جونہی امام سلام پھیرتا ہے اذکار کو نظر انداز کر کے اپنی اپنی مصروفیات میں مگن ہو جاتے ہیں یا گھر کی راہ لیتے ہیں اور بعض الناس تو ایسے ہیں کہ انہیں صحیح احادیث سے ثابت شدہ ''مسنون اذکار'' تو یاد ہی نہیں ہوتے اور نہ اس کی طرف توجہ دیتے ہیں لیکن من گھڑت ذکر کی ضربیں خوب لگا لیتے ہیں (أعاذنا اللہ منھم) یاد رہے عمل صرف وہی اللہ کے ہاں مقبول ہوتا ہے جو قرآن وسنت سے ثابت ہو۔

(۸) سیدنا زید بن ثابت رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہمیں حکم دیا گیا کہ ہم ہر نماز کے بعد ۳۳ مرتبہ ((سبحان اللّٰہ)) ۳۳ مرتبہ ((الحمد للّٰہ)) اور ۳۴ مرتبہ ((اللّٰہ اکبر)) کہیں، پس (انصار میں سے) ایک آدمی نے خواب (میں ایک شخص کو) دیکھا تو اس (شخص) نے کہا: تمہیں ۳۳ مرتبہ ((سبحان اللّٰہ)) ۳۳ مرتبہ ((الحمدللّٰہ)) اور ۳۴ مرتبہ ((اللّٰہ اکبر)) (کہنے کا) حکم دیا گیا ہے۔ پس اگر اس میں تہلیل (لا إلٰہ إلا اللّٰہ) کو شامل کر لو تو ان (کلمات) کو پچیس (پچیس) مرتبہ کہو، میں نے اس (سارے قصے) کا ذکر نبی کریم ﷺ کے سامنے کیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: جو تم نے دیکھا ہے اسی طرح کرو۔ یا (فرمایا) اسی طرح (کرو)۔

[مسند احمد ۱۸۴/۵، سنن النسائی ۷۶/۳ ح ۱۳۵۱، عمل الیوم واللیلۃ لہ: ۱۵۷، سنن الترمذی: ۳۴۱۳ وقال: ''حسن صحیح''، صحیح ابن خزیمہ: ۷۵۲، صحیح ابن حبان، الاحسان: ۲۰۱۴، موارد الظمآن: ۲۳۴۰]

فوائد: حدیث جبریل (مسلم: ۸) اذان کے سلسلے میں حدیث عبداللہ بن زید بن عبدربہ (سنن ابی داود: ۴۹۹ واسنادہ حسن) اور مذکورہ حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ تعلیم کی غرض سے فرشتے انسانی شکل میں آیا کرتے تھے اور بعد میں نبی ﷺ (بذریعہ وحی) اس کی تصدیق فرما دیتے تھے۔ جیسا کہ اس حدیث میں بھی آپ ﷺ نے خواب سن کر تائید فرمائی۔ تو پتا چلا کہ ۳۳ بار ((سبحان اللّٰہ)) ۳۳ بار ((الحمد للّٰہ)) اور ۳۴ بار ((اللّٰہ اکبر)) کے ساتھ ۲۵ مرتبہ ((سبحان اللّٰہ)) ۲۵ مرتبہ ((الحمدللّٰہ)) اور ۲۵ مرتبہ ((لا اِلٰہ اِلا اللّٰہ)) کہنا بھی جائز ہے، دونوں میں سے کسی بھی طریقہ پر عمل کیا جا سکتا ہے۔ لیکن واضح رہے کہ شریعت میں غیر نبی کے خواب قطعاً حجت نہیں ہیں، اِلّا یہ کہ دورِ نبوی

میں جن خوابوں کی نبی اکرم ﷺ نے خود تصدیق فرمائی ہو، علاوہ ازیں کسی خواب سے کوئی شرعی مسئلہ اَخذ نہیں کیا جا سکتا ۔جبکہ بعض الناس کے مسالک و مذاہب کی بنیاد ہی خوابوں پر ہے جو صریحاً باطل ہے۔

(۷۹) سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس شخص نے ہر نماز کے بعد ۳۳ مرتبہ ((سبحان اللّٰہ)) ۳۳ مرتبہ ((الحمدللّٰہ)) اور ۳۳ مرتبہ ((اللّٰہ اکبر)) کہا تو یہ (کلمات تعداد میں) ۹۹ ہو گئے اور سو کا عدد ((لا إلٰہ إلا اللّٰہ وحدہٗ لا شریك له ، له الملك وله الحمد وهو علٰی کل شيءٍ قدیر)) کہہ کر پورا کر لیا تو اس کے سارے (صغیرہ) گناہ معاف کر دیئے جاتے ہیں اگرچہ وہ سمندر کے جھاگ کے برابر ہوں۔(صحیح مسلم:۵۹۷)

فوائد: اس حدیث میں تسبیح، تحمید اور تکبیر کے ساتھ لا إلٰہ إلا اللہ وحدہ لا شریک لہ إلخ کا اضافہ ہے اور اس کی خصوصی فضیلت بھی بیان فرمائی گئی ہے کہ اسے پڑھنے والے کے سارے (صغیرہ) گناہ معاف کر دیئے جاتے ہیں۔ دوسرا ان تمام روایات سے معلوم ہوا کہ: ۳۳ بار ((سبحان اللّٰہ)) ۳۳ بار ((الحمدللّٰہ)) ۳۴ بار ((اللّٰہ اکبر)) ہو یا ۲۵ بار ((سبحان اللّٰہ)) ۲۵ بار ((الحمدللّٰہ)) ۲۵ بار ((اللّٰہ اکبر)) ۲۵ بار ((لا إلٰہ إلا اللّٰہ)) ہو یا ۳۳ بار ((سبحان اللّٰہ)) ۳۳ بار ((الحمد للّٰہ)) ۳۳ بار ((اللّٰہ اکبر)) ایک بار ((لا إلٰہ إلا اللّٰہ وحدہٗ لا شریك له إلخ)) ہو، زیادہ سے زیادہ ذکر کا عدد سو ہی ہے لہٰذا اس سے تجاوز بہتر نہیں ہے۔ مسیّب بن نجبہ نے سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے پاس آ کر کہا: ''میں نے مسجد میں ایسے لوگ دیکھے ہیں جو کہتے ہیں، تین سو ساٹھ مرتبہ ''سبحان اللّٰہ'' کہو تو (عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے) کہا: ''اے علقمہ! اٹھو اور مجھے ان سے ملاؤ'' وہ آئے اور ان (لوگوں) کے پاس کھڑے ہو گئے اور دیکھا کہ وہی کام کر رہے تھے (عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ) فرمانے لگے کہ ''تم نے گمراہی کی دُم پکڑ رکھی ہیں یا اپنے آپ کو محمد ﷺ کے صحابہ کرام سے زیادہ ہدایت پر سمجھتے ہو۔؟!'' [البدع والنہی عنہا لابن وضاح: ۲۷ وسندہ حسن] پتا چلا کہ اذکار میں جس تعداد کا ذکر سنت صحیحہ سے ثابت ہو اسی کے مطابق اذکار کئے جائیں۔

(۸۰) سیدنا عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: دو (ایسی) خصلتیں ہیں کہ جو مسلمان (بھی) ان پر مواظبت اختیار کرے گا جنت میں جائے گا۔ اور وہ دونوں آسان ہیں اور جو ان پر عمل کرنے والے ہیں وہ تھوڑے ہیں۔ ہر نماز کے بعد دس مرتبہ ((سبحان اللّٰہ)) دس مرتبہ ((الحمدللّٰہ)) اور دس مرتبہ ((اللّٰہ اکبر)) کہے۔ (عبداللہ رضی اللہ عنہ نے) کہا: پس میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا کہ وہ اپنے ہاتھ (کی انگلیوں) پر گنتے، آپ نے فرمایا: زبان سے (ان کی) ادائیگی ڈیڑھ سو (۱۵۰) ہے (لیکن) میزان میں ڈیڑھ ہزار (۱۵۰۰) ہیں۔ (دوسری خصلت یہ ہے کہ) جب سونے لگے تو سبحان اللّٰہ (۳۳ بار) الحمدللّٰہ (۳۳ بار) اللّٰہ اکبر (۳۴ بار) کہے، یہ زبان سے ادائیگی میں ایک سو (۱۰۰) ہے (لیکن) ترازو میں ایک ہزار (شمار) ہو گی۔ تم میں سے کون ہے جو ایک دن میں ڈھائی ہزار برائیاں کرتا ہے۔؟

(صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے) کہا: (پھر) کیوں نہ اس پر ہمیشگی کی جائے۔ آپ نے فرمایا: حالت نماز میں تم میں سے کسی کے پاس شیطان آتا ہے (اور نمازی کو بُھلانے کی غرض سے) کہتا ہے: فلاں، فلاں چیز یاد کر یہاں تک کہ وہ نماز مکمل کر لیتا ہے تو ہوسکتا ہے وہ ایسا نہ کرے۔ (یعنی یہ عمل نہ کرسکے) اور (پھر شیطان اس کے پاس اس وقت) آتا ہے جب وہ اپنے بستر پر جاتا ہے پس وہ اِسے تھپکتا ہے یہاں تک کہ سو جاتا ہے (الترمذی: ۳۴۱۰، ابوداؤد: ۵۰۶۵ واسنادہ حسن، النسائی: ۱۳۴۹)

فوائد: اللہ تعالیٰ اپنے بندے سے کس قدر محبت کرتا ہے کہ قلیل عمل پر اجر کثیر سے نوازتا ہے۔ لیکن افسوس! کہ بندہ ایسا تھوڑا عمل بھی کرنے سے قاصر نظر آتا ہے۔ دوسرا یہ کہ موتیوں یا مالا وغیرہ پر اعدادِ ذکر کے بجائے ہاتھوں کی انگلیوں پر ہی گننا چاہئے یہی صحیح اور سنت طریقہ ہے۔

(۸۱) سیدنا ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص نے فجر کی نماز کے بعد اپنے پاؤں موڑے ہوئے (تشہد کی سی صورت میں) ہی کسی سے بات چیت کئے بغیر ((لا اِلٰہ اِلا اللّٰہ وحدہ لا شریك له، له الملك وله الحمد، یحیي ویمیت وهو علی کل شيءٍ قدیر)) پڑھا تو اس کے لئے دس نیکیاں لکھی جائیں گی اور دس برائیاں مٹائی جائیں گی اور دس درجات بلند کئے جائیں گے اور اس دن وہ ہر برائی سے محفوظ رہے گا۔ اور شیطان سے بچایا جائے گا اور اس دن اس کی شرک کے سوا کسی گناہ پر پکڑ نہ ہوگی۔ (ترمذی: ۳۴۷۴ واسنادہ صحیح، عمل الیوم واللیلۃ: ۱۲۷)

فوائد: اس حدیث سے یہ بات روزِ روشن کی طرح واضح ہو جاتی ہے کہ بندہ اعمال کے کتنے ہی انبار کیوں نہ لگا دے، اگر اس کے اعمال میں شرک کی آمیزش ہوئی تو اس کے سارے اعمال ضائع و برباد ہو جائیں گے۔ اللہ تعالیٰ پیغمبروں کی ایک جماعت سے مخاطب ہو کر اعلان فرماتا ہے ﴿وَ لَوْ اَشْرَكُوْا لَحَبِطَ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ﴾ اگر انہوں نے بھی شرک کیا ہوتا تو ان سب کے اعمال اکارت ہو جاتے۔ (الانعام: ۸۸)

شرک اکبر الکبائر میں سے ہے اور شرک کا ارتکاب ظلم عظیم ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے ﴿اِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيْمٌ﴾ بے شک شرک ظلمِ عظیم ہے۔ (لقمان: ۱۳)

مشرک اگر توبہ کے بغیر مر جائے تو اس پر ہمیشہ کے لئے بخشش کے دروازے بند کر دیئے جاتے ہیں۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ﴿اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ وَيَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَآءُ ط﴾ بے شک اللہ اپنے ساتھ شرک کو معاف نہیں کرتا اور اس کے سوا جسے وہ چاہے بخش دیتا ہے۔ (النسآء: ۱۱۶)

بلکہ مشرک پر ہمیشہ کے لئے جنت کو حرام قرار دیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿اِنَّهٗ مَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَقَدْ حَرَّمَ اللّٰهُ عَلَيْهِ الْجَنَّةَ وَمَاْوٰهُ النَّارُ ط﴾ بے شک جس نے اللہ کے ساتھ شرک کیا تو اللہ نے اس پر جنت کو حرام قرار دیا اور اس کا ٹھکانا جہنم ہے۔ (المآئدۃ: ۷۲)

حافظ زبیر علی زئی

صحیح بخاری کی چند احادیث

(اور منکرینِ حدیث)

الحمدلله رب العالمین والصلوٰة والسلام علی رسوله الأمین ، أما بعد:

قارئین کرام !...............ایک منکرِ حدیث نے صحیح بخاری کی چند احادیث پر حملے کئے ہیں۔اسی طرح کے حملے دیگر منکرینِ حدیث بھی کرتے رہتے ہیں لہٰذا عام مسلمانوں کی نصیحت اور خیر خواہی کے لئے ان اعتراضات کے مدلل جوابات پیشِ خدمت ہیں:

منکرِ حدیث: '' ستمبر ۱۹۸۷ میں لکھا گیا　　........　　سے خطاب

(منکر حدیث کا نام اور اڈریس)..

صحیح بخاری کو ''اصح الکتاب بعد کتاب اللہ'' وحی ماننے والے غور کریں۔

(۱) پتھر موسیٰ علیہ السلام کے کپڑے لے کر بھاگ گیا (جلد دوم۔صفحہ ۲۹۲۔روایت نمبر ۶۲۸)

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا موسیٰ علیہ السلام بڑے باحیا اور ستر پوش آدمی تھے ان کے حیا کی وجہ سے ان کے جسم کا ذرا سا حصہ بھی ظاہر نہ ہوتا تھا بنی اسرائیل نے ان کو اذیت دی اور کہا یہ جو اپنے جسم کی اتنی پردہ پوشی کرتے ہیں تو صرف اس لئے کہ ان کا جسم عیب دار ہے یا تو انہیں برص ہے یا فتق ہے یا کوئی اور بیماری ہے اللہ تعالیٰ نے ان کو ان تمام بہتانوں سے پاک کرنا چاہا سو ایک دن موسیٰ نے تنہائی میں جا کر کپڑے اتار کر پتھر پر رکھ دیئے پھر غسل کیا جب غسل سے فارغ ہوئے تو اپنے کپڑے پہننے چلے مگر وہ پتھر ان کے کپڑے لے کر بھاگ پڑا موسیٰ اپنا عصا لے کر پتھر کے پیچھے چلے اور کہنے لگے اے پتھر میرے کپڑے دے اے پتھر میرے کپڑے دے۔

حتی کہ پتھر بنی اسرائیل کی ایک جماعت کے پاس پہنچ گیا انہوں نے برہنہ حالت میں موسیٰ کو دیکھا تو اللہ تعالیٰ کی مخلوقات میں سب سے اچھا اور ان تمام عیوب سے جو وہ آپ کی طرف منسوب کرتے تھے انہوں نے بری پایا۔وہ پتھر ٹھہر گیا اور موسیٰ نے اپنے کپڑے لے کر پہن لئے پھر موسیٰ نے اپنا عصا لے کر پتھر کو مارنا شروع کیا پس بخدا موسیٰ کے مارنے کی وجہ سے اس پتھر پر تین یا چار نشانات ہو گئے اس آیت کریمہ کا یہی مطلب ہے کہ۔اے ایمان والو! ان لوگوں کی طرح نہ ہو جاؤ جنہوں نے موسیٰ کو تکلیف پہنچائی تو اللہ تعالیٰ نے انہیں اس بات سے (جو وہ موسیٰ کے بارے کہتے تھے) بری کر دیا وہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک باعزت تھے۔(روایت ختم)

تبصرہ: ① آیت ﴿یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِیْنَ اٰذَوْا مُوْسٰى فَبَرَّاَهُ اللّٰهُ .... ﴾ (احزاب:۶۹)

کی تفسیر ملاحظہ فرمائیں جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے بذریعہ وحی سکھلائی جبکہ قرآن میں اور تورات میں بنی اسرائیل کی بیسیوں ایذاؤں کا ذکر تھا ایسی حیا سوز ایذا کا ذکر کرنے کی کیا ضرورت تھی وہ بھی اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب

② اگر یہ حدیث وحی ہے اور آپؐ کو بذریعہ وحی اس وقوعے کی اطلاع دی گئی تو تین یا چار نشان کہنے کا کیا مطلب۔کیا اللہ تعالیٰ کو بھی نعوذ باللہ علم نہیں تھا کہ نشان تین ہیں یا چار۔''

(۱) الجواب:

یہ روایت صحیح بخاری میں تین مقامات پر ہے (ح ۲۷۸، ۳۴۰۴، ۴۷۹۹)

امام بخاری رحمہ اللہ کے علاوہ درج ذیل محدثین نے بھی اسے روایت کیا ہے:

مسلم النیسابوری (صحیح مسلم ح ۳۳۹ وترقیم دارالسلام: ۷۷۰ وبعد ح ۲۳۷۱ ترقیم دارالسلام: ۶۱۴۶، ۶۱۴۷) ترمذی (السنن: ۳۲۲۱ وقال: ''ھذا حدیث حسن صحیح'' الخ) النسائی فی التفسیر (۴۴۴، ۴۴۵) الطحاوی فی مشکل الآثار (۱/۱۱) والطبری فی تفسیرہ (تفسیر ابن جریر ۲۲/ ۳۷)

یہ روایت درج ذیل کتابوں میں بھی موجود ہے:

مسند ابی عوانہ (۱/ ۲۸۱) صحیح ابن حبان (الاحسان ۱۴/ ۹۴ ح ۶۱۷۸، دوسرا نسخہ: ۶۲۱۱) الاوسط لابن المنذر (۲/ ۱۲۰ ح ۶۴۹) السنن الکبریٰ للبیہقی (۱/ ۱۹۸) معالم التنزیل للبغوی (۳/ ۵۴۵)

یہ روایت امام بخاری رحمہ اللہ سے پہلے درج ذیل محدثین نے بھی بیان کی ہے:

احمد بن حنبل (المسند ۲/ ۳۱۵، ۳۹۲، ۵۱۴، ۵۳۵) عبدالرزاق (المصنف: ۲۰۵۳۱) ہمام بن منبہ (الصحیفۃ: ۶۱)

سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے یہ روایت درج ذیل جلیل القدر تابعین کی سند سے مروی ہے:

① ہمام بن منبہ [الصحیفۃ: ۶۱ وصحیح البخاری: ۲۷۸ وصحیح مسلم: ۳۳۹]
② محمد بن سیرین [صحیح البخاری: ۳۴۰۴، ۴۷۹۹]
③ خلاس بن عمرو [صحیح البخاری: ۳۴۰۴، ۴۷۹۹]
④ الحسن البصری [صحیح البخاری: ۳۴۰۴، ۴۷۹۹]
⑤ عبداللہ بن شقیق [صحیح مسلم: ۳۳۹ بعد ح ۲۳۷۱ ترقیم دارالسلام: ۶۱۴۷]

اس روایت کی دوسری سندیں، آثارِ صحابہ اور آثارِ تابعین بھی مروی ہیں۔ دیکھئے مصنف ابن ابی شیبہ (۱۱/ ۵۳۳، ۵۳۵) وتفسیر الطبری (۲۲/ ۳۶، ۳۷) وکشف الاستار (مسند البزار: ۲۲۵۲)

اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ صحیح بخاری کی یہ روایت بالکل صحیح ہے۔ اس حدیث کی تشریح میں حافظ ابن حزم اندلسی رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ:

''أنه ليس في الحديث أنهم رأوا من موسى الذكر – الذي هو عورة – وإن رأوا منه هيئة تبينوا بها أنه مبرأ مما قالوا من الادرةوهذا يتبين لكل ناظر بلا شك ، بغير أن يرى شيئاً من الذكر لكن بأن يرى مابين الفخذين خالياً''

حدیث میں یہ نہیں ہے کہ انہوں (بنی اسرائیل) نے موسیٰ (علیہ السلام) کا ذکر یعنی شرمگاہ دیکھی تھی۔ انہوں نے ایسی حالت دیکھی جس سے واضح ہوگیا کہ وہ (موسیٰ علیہ السلام) ان لوگوں کے الزامات کہ وہ آدر ہیں (یعنی ان کے

خصیے بہت موٹے ہیں) سے بری ہیں۔ ہر دیکھنے والے کو (ایسی حالت میں) بغیر کسی شک کے ذکر (شرمگاہ) دیکھے بغیر ہی یہ معلوم ہو جاتا ہے جب وہ دیکھتا ہے کہ رانوں کے درمیان جگہ خالی ہے (المحلیٰ ۳/۲۱۳ مسئلہ:۳۴۹)

اس تشریح سے معلوم ہوا کہ بنی اسرائیل سیدنا موسیٰ علیہ السلام پر جو جسمانی نقص والے الزامات لگاتے تھے، ان تمام الزامات سے آپ بری تھے۔ دوسرے یہ کہ اس روایت میں یہ بھی نہیں ہے کہ سیدنا موسیٰ علیہ السلام بالکل ننگے نہا رہے تھے۔ امام ابن حزم کے کلام سے ظاہر ہوتا ہے کہ آپ نے لنگوٹی وغیرہ سے اپنی شرمگاہ کو چھپا رکھا تھا اور باقی جسم ننگا تھا۔ بنی اسرائیل نے آپ کی شرمگاہ کو دیکھا ہی نہیں لہٰذا منکرین حدیث کا اس حدیث کا مذاق اڑانا مردود ہے۔ بعض الناس نے کہا کہ ''تو تین یا چار نشان کہنے کا کیا مطلب''؟

عرض ہے کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ ﴿وَاَرْسَلْنٰهُ اِلٰى مِائَةِ اَلْفٍ اَوْ يَزِيْدُوْنَ﴾ اور بھیجا اس کو لاکھ آدمیوں پر یا زیادہ (الصّٰفّٰت: ۱۴۷ ترجمہ شاہ عبدالقادر ص ۵۴۳)

اس آیت کریمہ کا ترجمہ شاہ ولی اللہ الدہلوی کی تحریر سے پڑھ لیں:

''وفرستادیم اُو را بسوئے صد ہزار یا بیشتر ازان باشند'' (ص ۵۴۳)

منکرین حدیث اس آیت کریمہ میں لفظ ''او'' کی جو تشریح کریں گے وہی تشریح سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے قول ''ستة أو سبعة'' میں ''او'' کی ہے۔ والحمدللہ

منکرِ حدیث: ''(۲) موسیٰ کا ملک الموت کی پٹائی کر دینا (جلد دوم صفحہ ۲۹۲ روایت نمبر ۱۶۳)

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں۔ وہ فرماتے ہیں کہ: ملک الموت کو موسیٰ کے پاس بھیجا گیا جب وہ موسیٰ کے پاس آئے تو موسیٰ نے ان کو مکا مارا تو وہ اللہ تعالیٰ کے پاس چلے گئے اور کہنے لگے تو نے مجھے ایسے بندے کے پاس بھیجا ہے جو موت نہیں چاہتا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ تم واپس جا کر اس سے کہو کہ تم کسی بیل کی پیٹھ پر اپنا ہاتھ رکھو پس جتنے بال ان کے ہاتھ کے نیچے آ جائیں گے ہر بال کے بدلے ایک سال کی عمر ملے گی۔ موسیٰ نے کہا: اے اللہ پھر کیا ہوگا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: پھر موت آئے گی تو موسیٰ نے کہا: ابھی آ جائے۔ ابو ہریرہؓ نے کہا کہ موسیٰ علیہ السلام نے درخواست کی کہ انہیں ارض مقدس سے ایک پتھر پھینکنے کے فاصلہ تک قریب کر دے۔ ابو ہریرہؓ نے کہا رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اگر میں وہاں ہوتا تو تمہیں ان کی قبر راستہ کے کنارے سے ٹیلہ کے نیچے دکھا دیتا۔ روایت ختم۔

تبصرہ: موسیٰ کا اللہ تعالیٰ کے حکم بردار فرشتہ کے ساتھ یہ سلوک اور اس آمد و رفت اور گفتگو میں موسیٰ کی موت میں کتنی ساعتیں تاخیر ہوئی جب کہ قرآن مجید میں ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ: ﴿وَلَنْ يُّؤَخِّرَ اللّٰهُ نَفْسًا اِذَا جَآءَ اَجَلُهَا﴾ اللہ تعالیٰ ہرگز تاخیر نہیں کرتا جب کسی کی اجل آ جائے۔ (المنافقون: ۱۱)''

(۲) الجواب:

یہ روایت صحیح بخاری میں دو مقامات پر ہے (۱۳۳۹، ۳۴۰۷)

امام بخاری رحمہ اللہ کے علاوہ درج ذیل محدثین نے بھی اسے روایت کیا ہے۔

مسلم النیسابوری (صحیح مسلم:۲۳۷۲وترقیم دارالسلام:۶۱۴۸، ۶۱۴۹) النسائی (سنن النسائی ۱۱۸/۴، ۱۱۹ح ۲۰۹۱) ابن حبان (صحیح ابن حبان، الاحسان ۳۸/۸ ح ۶۲۲۳، پرانا نسخہ: ح ۶۱۹۰) ابن ابی عاصم (السنۃ: ۵۹۹) البیہقی فی الاسماء والصفات (ص ۴۹۲) البغوی فی شرح السنۃ (۲۶۵/۵، ۲۶۶ح ۱۴۵۱ وقال: ھذا حدیث متفق علی صحتہ) الطبری فی التاریخ (۴۳۴/۱ دوسرا نسخہ ۵۰۵/۱) الحاکم فی المستدرک (۵۷۸/۲ ح ۴۱۰۷ وقال: ''ھذا حدیث صحیح علی شرط مسلم ولم یخرجاہ'') وابو عوانہ فی مسندہ (اتحاف المھرۃ ۱۰۴/۱۵)

امام بخاری رحمہ اللہ سے پہلے درج ذیل محدثین نے اسے روایت کیا ہے:

احمد بن حنبل (المسند ۲۶۹/۲، ۳۱۵، ۵۳۳) عبدالرزاق فی المصنف (۲۷۴/۱۱، ۲۷۵ ح ۲۰۵۳۰، ۲۰۵۳۱) ہمام بن منبہ (الصحیفۃ: ۶۰)

اس حدیث کو سیدنا الامام ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے درج ذیل تابعین نے بیان کیا ہے:

① ہمام بن منبہ (البخاری: ۳۴۰۷ مختصراً، مسلم: ۲۳۷۲ وترقیم دارالسلام: ۶۱۴۹)

② طاؤس (البخاری: ۱۳۳۹، ۳۴۰۷ و مسلم: ۲۳۷۲ وترقیم دارالسلام: ۶۱۴۸)

③ عمار بن ابی عمار (احمد ۵۳۳/۲ ح ۱۰۹۱۷ وسندہ صحیح وصححہ الحاکم علی شرط مسلم ۵۷۸/۲)

اس روایت کی دوسری سند کے لئے دیکھئے مسند احمد (۳۵۱/۲)

معلوم ہوا کہ یہ روایت بالکل صحیح ہے، اسے بخاری، مسلم، ابن حبان، حاکم اور بغوی نے صحیح قرار دیا ہے۔

سیدنا موسیٰ علیہ السلام کے پاس ملک الموت ایسی انسانی شکل میں آئے تھے جسے موسیٰ علیہ السلام نہیں پہچانتے تھے۔ حافظ ابن حبان فرماتے ہیں کہ:

'' **وكان موسىٰ غيوراً، فرأى في داره رجلاً لم يعرفه، فشال يده فلطمه، فأتت لطمته على فقء عينه التي فى الصورة التي يتصور بها، لا الصورة التي خلقه الله عليها** '' اور موسیٰ (علیہ السلام) غیور تھے۔ پس انہوں نے اپنے گھر میں ایسا آدمی دیکھا جسے وہ پہچان نہ سکے تو ہاتھ بڑھا کر مکا مار دیا۔ یہ مکا اس (فرشتے) کی (انسانی صورت والی) اس آنکھ پر لگا جو اس نے اختیار کی تھی۔ جس (اصلی) صورت پر اللہ نے اسے پیدا کیا، اس پر یہ مکا نہیں لگا الخ (الاحسان، نسخہ محققہ ۱۱۵/۱۴)

امام بغوی رحمہ اللہ نے اس حدیث پر تفصیلی بحث کی ہے جس سے حافظ ابن حبان کی تائید ہوتی ہے۔ (دیکھئے شرح السنۃ ۲۶۶/۵ ۔ ۲۶۸) اور فرمایا کہ:

''یہ مفہوم ابو سلیمان الخطابی نے اپنی کتاب میں بیان کیا ہے تاکہ ان بدعتی اور ملحد لوگوں پر رد ہو جو اس حدیث اور اس جیسی دوسری احادیث پر طعن کرتے ہیں، اللہ ان (گمراہوں) کو ہلاک کرے اور مسلمانوں کو ان کے شر سے بچائے۔''
(شرح السنۃ ۲۶۸/۵)

مختصر یہ کہ موسیٰ علیہ السلام کو یہ پتا نہیں تھا کہ یہ فرشتہ ہے اور ان کی روح قبض کرنے کے لئے آیا ہے لہٰذا انہوں نے اسے

غیر آدمی سمجھ کر مارا۔ جب انہیں معلوم ہوگیا کہ یہ فرشتہ ہے اور روح قبض کرنا چاہتا ہے تو لبیک کہا اور سرِ تسلیم خم کیا۔ پس یہ حدیث ''اللہ تعالیٰ ہرگز تاخیر نہیں کرتا جب کسی کی اجل آجائے'' (المنٰفقون:۱۱) کے خلاف نہیں ہے۔ والحمد للہ

منکرِ حدیث: ''(۳) سلیمانؑ کا دعوئ غیب اور انشآء اللہ سے لاپرواہی

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ (جلد دوم صفحہ ۳۰۲ روایت نمبر ۶۴۷)

ابو ہریرہؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ایک دن سلیمانؑ نے قسم کھائی کہ میں آج رات ستر عورتوں کے پاس جاؤں گا ہر عورت کو ایک شہسوار اور مجاہد فی سبیل اللہ کا حمل ٹھہر جائے گا۔ ان کے ایک صحابی نے کہا انشاء اللہ کہئے مگر سلیمانؑ نے نہ کہا سو کوئی عورت حاملہ نہ ہوئی سوائے ایک کے مگر اس کے بھی بچہ ایسا پیدا ہوا جس کی ایک جانب گری ہوئی تھی۔ اگر وہ انشاء اللہ کہہ دیتے تو سب بچے پیدا ہو کر فی سبیل اللہ جہاد کرتے شعیب، ابوالزناد نے ۹۰ عورتوں کی روایت کی ہے اور یہی زیادہ صحیح ہے۔

تبصرہ: سلیمان علیہ السلام کا اپنے صحابی کے سامنے ۷۰ یا ۹۰ عورتوں کے پاس جانے کا کہنا جب کہ آج کا ایک عام مسلمان اپنی خواہش کی تکمیل کا ارادہ کسی پر ظاہر نہیں کرتا چہ جائیکہ ایک اولوالعزم رسول سے یہ بات باعث تعجب ہے۔

صحابی کے توجہ دلانے پر بھی انشاء اللہ نہ کہنا اور علم غیب کا ایسا دعویٰ کہ ۷۰ ہی مجاہد فی سبیل اللہ ہوں گے اور اس ساری داستان کی تصدیق اللہ تعالیٰ نے بذریعہ وحی محمد ﷺ اور آپ کی امت کو کرادی۔''

(۳) الجواب:

یہ روایت صحیح بخاری میں چھ مقامات پر ہے (۲۸۱۹، ۳۴۲۴، ۵۲۴۲، ۶۶۳۹، ۶۷۲۰، ۷۴۶۹)

صحیح بخاری کے علاوہ یہ روایت مختلف سندوں کے ساتھ درج ذیل کتابوں میں بھی موجود ہے:

صحیح مسلم (۱۶۵۴) صحیح ابن حبان (۴۳۲۲، ۴۳۲۳ دوسرا نسخہ: ۴۳۳۷، ۴۳۳۸) سنن النسائی (۲۵/۷ ح ۳۸۶۲) السنن الکبریٰ للبیہقی (۴۴/۱۰) مشکل الآثار للطحاوی (۳۷۷/۲ ح ۱۹۲۵) شرح السنۃ للبغوی (۱۴/۷ ح ۹۷ وقال: ھذا حدیث متفق علی صحتہ) حلیۃ الاولیاء لابی نعیم الاصبہانی (۲۷۹/۲، ۲۸۰ وقال: ''وھو صحیح ثابت متفق علی صحتہ'')

امام بخاری رحمہ اللہ سے پہلے درج ذیل محدثین نے اسے روایت کیا ہے:

احمد بن حنبل (المسند ۲۲۹/۲، ۲۷۵، ۵۰۶) حمیدی (المسند: ۱۱۷۴، ۱۱۷۵) عبدالرزاق فی التفسیر (۳۳۷/۱ ح ۱۶۶۸، ۱۶۶۹)

اس حدیث کو درج ذیل تابعین کرام نے سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے:

① عبدالرحمٰن بن ہرمز الاعرج (صحیح البخاری: ۲۸۱۹، ۳۴۲۴، ۶۶۳۹ و صحیح مسلم: ۱۶۵۴ و ترقیم دارالسلام: ۴۲۸۹)

② طاؤس (صحیح بخاری: ۵۲۴۲، ۶۷۲۰ و صحیح مسلم: ۱۶۵۴ و دارالسلام: ۴۲۸۶)

معلوم ہوا کہ یہ روایت بھی سابقہ روایات کی طرح بالکل صحیح ہے اور اسے بھی امام بخاری سے پہلے، ان کے زمانے میں اور بعد والے محدثین نے بھی روایت کیا ہے۔

جولوگ صحیح بخاری کی احادیث پر طعن کرتے ہیں وہ درحقیقت تمام محدثین پر طعن کرتے ہیں کیونکہ یہی احادیث دوسرے محدثین کے نزدیک بھی صحیح ہوتی ہیں۔

تنبیہ ①: سیدنا سلیمان علیہ السلام نے دعویٰ غیب نہیں کیا تھا بلکہ یہ ان کا اجتہاد وانداز ہ تھا۔

تنبیہ ②: ان روایات میں سلیمان علیہ السلام کی بیویوں کی تعداد ستر، نوے اور سو مذکور ہے۔ اس میں تطبیق یہ ہے کہ ستر آزاد بیویاں تھیں اور باقی لونڈیاں تھیں، دیکھئے فتح الباری لابن حجر (۶/۴۶۰ تحت ح ۳۴۲۴)

تنبیہ ③: سابقہ شریعتوں میں چار سے زیادہ بیویاں رکھنے کی اجازت تھی جب کہ شریعتِ محمدیہ میں امت محمدیہ کے ہر شخص کو بیک وقت زیادہ سے زیادہ صرف چار بیویاں رکھنے کی اجازت ہے۔

تنبیہ ④: سلیمان علیہ السلام نے فرمایا: ''میں آج رات ستر عورتوں کے پاس جاؤں گا'' الخ

کسی حدیث میں یہ بالکل نہیں آیا کہ سلیمان علیہ السلام نے ممبر پر لوگوں کے سامنے یہ اعلان کیا تھا بلکہ حدیث میں صحابی کا ذکر ہے جس سے مراد فرشتہ ہے۔ دیکھئے صحیح بخاری (۶۷۲۰) لہٰذا یہ اعتراض باطل ہے۔ دوسرا یہ کہ سلیمان علیہ السلام ان شاء اللہ کہنا بھول گئے تھے نا کہ انہوں نے اسے قصداً ترک کیا۔ دیکھئے صحیح بخاری (۶۷۲۰)

منکر حدیث: ''(۴) لوط علیہ السلام پر شرک کا الزام

(جلد دوم۔ صفحات ۲۷۶، ۲۷۸، ۲۸۱۔ روایات ۵۹۷، ۶۰۰، ۶۱۳۔ سب کا ایک مضمون ہے)

ابو ہریرہؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

اللہ تعالیٰ لوطؑ کی مغفرت فرمائے وہ ایک مضبوط رکن کی پناہ چاہتے تھے۔ (روایت ختم)

تبصرہ: مضبوط رکن

رکن کی پناہ جس کا قرآن مجید میں ذکر ہے (ھود ۱۱/۸۰) وہ اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر غیر اللہ سے پناہ لینے کے زمرے میں نہیں آتی۔ لوطؑ نے اصطلاحاً کلمۂ تأسف کے طور پر مشرکین سے اظہار بیزاری کرتے ہوئے فرمایا جبکہ کوئی بھی مواحد ان کا مددگار ساتھی نہ تھا سوائے قلیل کمزوروں کے۔ آپ کو یاد ہوگا کہ آپ نے ایک اہلِ حدیث مولوی کی زبانی لوط علیہ السلام کا شرک سنایا تھا اس اہلحدیث مولوی نے یہ بات بخاری ہی میں پڑھی ہوگی اس نے اس لئے کہا ہوگا کہ ہمارے نبی محمد ﷺ ان کے لئے مغفرت کی دعا فرما رہے ہیں۔ جبکہ شرکیہ جرائم کی مغفرت کی دعا کرنے کی تو اسلام اجازت ہی نہیں دیتا۔''

(۴) الجواب:

یہ روایت صحیح بخاری میں چھ مقامات پر ہے (۳۳۷۲، ۳۳۷۵، ۳۳۸۷، ۴۵۳۷، ۴۶۹۴، ۶۹۹۲)

صحیح بخاری کے علاوہ یہ حدیث درج ذیل کتابوں میں بھی موجود ہے:

صحیح مسلم (۱۵۱ وبعد ح: ۲۳۷۰) سنن الترمذی (۳۱۱۶ وقال: ھذا حدیث حسن) صحیح ابن حبان (۶۱۷۴ دوسرا نسخہ: ۶۲۰۷) سنن ابن ماجہ (۴۰۲۶) مشکل الآثار للطحاوی (۱/۱۳۴۔۱۳۶) صحیح ابی عوانہ (۱/۷۹، ۸۰) المستخرج لابی نعیم

(۱/۲۱۵ ح ۳۸۰) تفسیر طبری (۱۲/۸۸، ۱۳۹) المستدرک للحاکم (۲/۵۶۱ ح ۴۰۵۴ وقال: صحیح علی شرط مسلم، ووافقہ الذہبی) النسائی فی الکبریٰ (۱۱۲۵۴) الایمان لابن مندۃ (۱/۴۸۷ ح ۳۷۱، ۱/۴۸۵ ح ۳۶۸، ۳۶۹) الادب المفرد للبخاری (۶۰۵، ۸۹۶) تفسیر بغوی (۲/۳۹۵، ۳۹۶) وشرح السنۃ لہ (۱/۱۱۴، ۱۱۵ ح ۶۳ وقال البغوی: ''ھذا حدیث متفق علی صحتہ'') تاریخ بغداد (۷/۱۸۲ ت ۳۶۳۱)

اسے امام بخاری رحمہ اللہ سے پہلے درج ذیل محدثین نے روایت کیا ہے:

احمد بن حنبل (۲/۳۲۲، ۳۲۶، ۳۳۲، ۳۴۶، ۳۵۰ (ح ۸۵۹۰)، ۳۸۴، ۳۸۹، ۴۱۶، ۵۳۳) وسنن سعید بن منصور (ح ۱۰۹۷ طبعہ جدیدہ)

سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے اسے بیان کرنے والے درج ذیل ثقہ وجلیل القدر تابعین ہیں:

① ابوسلمہ بن عبدالرحمٰن بن عوف (صحیح بخاری: ۳۳۷۲ وصحیح مسلم: ۳۸۲/۱۵۱ وبعد ح: ۲۳۷۰)
② سعید بن المسیب (صحیح بخاری: ۳۳۷۲ وصحیح مسلم: ۱۵۱)
③ ابوعبید (صحیح بخاری: ۳۳۸۷ وصحیح مسلم: ۱۵۱)
④ عبدالرحمٰن بن ہرمز الاعرج (صحیح بخاری: ۳۳۷۵ وصحیح مسلم: ۱۵۱ بعد ح: ۲۳۷۰)

اس روایت کے شواہد وتائیدی روایات کے لئے دیکھئے تاریخ طبری (۱/۳۰۳ وسندہ حسن) ومصنف ابن ابی شیبہ (۱۱/۵۲۳۔۵۲۵ ح ۳۱۸۲۶) والاوسط للطبرانی (۹/۲۷۵ ح ۸۸۰۸) والمستدرک للحاکم (۲/۵۶۳ ح ۴۰۵۹)

معلوم ہوا کہ یہ روایت بالکل صحیح ہے اور امام بخاری رحمہ اللہ کی پیدائش سے پہلے یہ حدیث دنیا میں صحیح سند سے موجود تھی۔ والحمد للہ

اس کی تائید قرآن کریم میں ہے کہ لوط (علیہ السلام) نے فرمایا:

﴿لَوْ اَنَّ لِیْ بِکُمْ قُوَّۃً اَوْ اٰوِیْۤ اِلٰی رُکْنٍ شَدِیْدٍ﴾ ''کاش میرے پاس تم سے مقابلہ کی قوت ہوتی یا میں کسی طاقت ورسہارے کی پناہ لے سکتا'' (سورۃ ھود: ۸۰، تدبر قرآن ۴/۱۳۳، ۱۳۴)

تنبیہ بلیغ: تدبر قرآن کا مصنف امین احسن اصلاحی منکرینِ حدیث میں سے تھا لہٰذا اس کا ترجمہ ان منکرینِ حدیث پر حجت قاطعہ ہے۔

پرویز نے رکن کا ترجمہ ''سہارا'' کیا ہے (دیکھئے لغات القرآن ۲/۷۸۰)

مشہور تابعی اور مفسرِ قرآن امام قتادہ رحمہ اللہ نے ''رکن شدید'' کی تشریح ''العشیرۃ'' خاندان، سے کی ہے۔
(تفسیر طبری ۲۱/۵۲، ۵۳ وسندہ صحیح)

مضبوط قبیلے والوں کی حمایت ومدد مانگنا شرک نہیں ہے بلکہ یہ استمداد ماتحت الاسباب ہے۔ سیدنا عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا تھا کہ ﴿مَنْ اَنْصَارِیْۤ اِلَی اللّٰہِ﴾ کون میرا مددگار ہے اللہ کی راہ میں؟ (سورۃ الصف: ۱۴)

ماتحت الاسباب مدد مانگنا اور ایک دوسرے کی مدد کرنا شرک نہیں ہوتا۔ شرک تو یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی صفات خاصہ میں کسی کو شریک کیا جائے یا اموات سے مافوق الاسباب مدد مانگی جائے لہٰذا منکرین حدیث کی طرف سے سیدنا لوط علیہ السلام

پر شرک کا الزام باطل ومردود ہے۔ والحمدللہ

منکرِ حدیث: ''(۵) رسول اللہ ﷺ پر جادو کا اثر۔؟

(جلد دوم۔ صفحہ نمبر ۲۳۵ روایت نمبر ۵۰۰)

لیث نے کہا مجھے ہشام نے ایک خط لکھا جس میں لکھا تھا کہ میں نے اپنے والد انہوں نے عائشہؓ سے سنا اور میں نے خوب یاد رکھا کہ رسول اللہ ﷺ پر جادو کیا گیا جس کا اثر یہ ہوا کہ آپ کو نہ کئے کام کے متعلق خیال ہوتا کہ کر چکے ہیں۔ (یہ روایت کا ایک متعلقہ حصہ درج کیا گیا ہے)

تبصرہ: کیا رسول اللہ ﷺ جادو کی مدت کے دوران وحی الٰہی پہنچاتے تھے یا نہیں۔؟ اور پہنچاتے وقت آپ کی کیفیت کیا ہوگی کہ آپ نے وحی نہ لکھوائی اور خیال کرتے ہوں گے کہ لکھوا چکا ہوں۔ شاید اسی طرح قرآن کا کچھ حصہ لکھوانے سے رہ گیا ہو جیسے کہ شیعہ کا خیال ہے اور حدیث کی دوسری کتابوں میں بھی ایسی بعض روایات تحریر ہیں۔''

(۵) الجواب:

نبی کریم ﷺ پر دنیاوی اُمور میں، مرض کی طرح عارضی طور پر جادو کے اثر والی روایت صحیح بخاری میں سات مقامات پر ہے (۳۱۷۵، ۳۲۶۸، ۵۷۶۳، ۵۷۶۵، ۵۷۶۶، ۶۰۶۳، ۶۳۹۱)

امام بخاری رحمہ اللہ کے علاوہ اسے درج ذیل محدثین نے روایت کیا ہے:

مسلم بن الحجاج النیسابوری (صحیح مسلم: ۲۱۸۹ وترقیم دارالسلام: ۵۷۰۳، ۵۷۰۴) ابن ماجہ (السنن: ۳۵۴۵) النسائی (الکبریٰ: ۷۶۱۵ دوسرا نسخہ: ۷۵۶۹) ابن حبان (فی صحیحہ: الاحسان ح ۶۵۴۹، ۶۵۵۰ دوسرا نسخہ: ۶۵۸۳، ۶۵۸۴) ابوعوانہ (فی الطب / اتحاف المہرۃ ۱۷/ ۳۱۹ ح ۲۲۳۱۶) الطحاوی (مشکل الآثار / تحفۃ الاخیار ۶/ ۶۰۹ ح ۴۷۸۸) الطبرانی (الاوسط: ۵۹۲۲) البیہقی (السنن الکبریٰ ۸/ ۱۳۵، دلائل النبوۃ ۶/ ۲۴۷) ابن سعد (الطبقات ۲/ ۱۹۶) ابن جریر الطبری (فی تفسیرہ ۱/ ۳۶۶، ۳۶۷) البغوی (شرح السنۃ ۱۲/ ۱۸۵، ۱۸۶ ح ۳۲۶۰ وقال: ھذا حدیث متفق علی صحتہ)

امام بخاری رحمہ اللہ سے پہلے اسے درج ذیل محدثین نے بھی روایت کیا ہے:

احمد بن حنبل (المسند ۶/ ۵۰، ۵۷، ۶۳، ۹۶) الحمیدی (۲۶۰ بتحقیقی) ابن ابی شیبہ (المصنف ۷/ ۳۸۸، ۳۸۹ ح ۲۳۵۰۹) اسحاق بن راہویہ (المسند قلمی ص ۸۶ ب ح ۷۳۷) سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے یہ روایت مشہور ثقہ امام وتابعی عروہ بن زبیر نے بیان کی ہے۔ عروہ سے ان کے صاحبزادے ہشام بن عروہ (ثقہ امام) نے یہ روایت بیان کی ہے۔

فائدہ ①: ہشام بن عروہ نے سماع کی تصریح کردی ہے (صحیح بخاری: ۳۱۷۵)

فائدہ ②: ہشام سے یہ روایت انس بن عیاض المدنی (صحیح بخاری: ۶۳۹۱) اور عبدالرحمٰن بن ابی الزناد المدنی (صحیح بخاری: ۵۷۶۳، تفسیر طبری ۱/ ۳۶۶، ۳۶۷ وسندہ حسن) وغیرہما نے بھی بیان کی ہے۔ والحمدللہ

اس روایت کی تائید کے لئے دیکھئے مصنف عبدالرزاق (۱۹۷۶۴) وصحیح بخاری (قبل ح ۳۱۷۵) وطبقات ابن سعد (۲/ ۱۹۹ عن الزہری وسندہ صحیح) والسنن الصغریٰ للنسائی (۷/ ۱۱۲ ح ۴۰۸۵) ومسند احمد (۴/ ۳۶۷) ومسند عبد بن حمید

(۲۷۱) ومصنف ابن ابی شیبہ (۳۸۸/۷ ح ۲۳۵۰۸) وکتاب المعرفۃ والتاریخ للامام یعقوب بن سفیان الفارسی (۲۸۹/۳، ۲۹۰) والمستدرک (۳۶۰/۴، ۳۶۱) ومجمع الزوائد (۲۸۹/۶، ۲۹۰)

معلوم ہوا کہ منکرین حدیث کا اس حدیث پر حملہ دراصل تمام محدثین پر حملہ ہے۔

تنبیہ ①: قرآن مجید سے ثابت ہے کہ سیدنا موسیٰ علیہ السلام ان رسیوں کو دیکھ کر خوف زدہ ہو گئے تھے جنہیں جادوگروں نے پھینکا تھا۔ جادوگروں نے ایسا جادو چلایا کہ سیدنا موسیٰ علیہ السلام یہ سمجھے کہ یہ (سانپ بن کر) دوڑ رہی ہیں۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ ﴿يُخَيَّلُ اِلَيْهِ مِنْ سِحْرِهِمْ اَنَّهَا تَسْعٰى﴾ ان کے جادو (کے زور) سے موسیٰ کو یوں خیال ہوتا تھا کہ وہ دوڑ رہی ہیں (آسان لفظی ترجمہ ص ۵۰۳، طٰہٰ: ۶۶)

معلوم ہوا کہ جادو کا عارضی اثر خیال پر ہو سکتا ہے لہٰذا آپ ﷺ کا یہ خیال کرنا کہ میں نے یہ (دنیا کا) کام کر لیا ہے، قطعاً قرآن کے خلاف نہیں ہے۔

منکرین حدیث کو چاہئے کہ وہ ایسی قرآنی آیت پیش کریں جس سے صاف ثابت ہوتا ہو کہ دنیاوی امور میں نبی کے خیال پر جادو کا اثر نہیں ہو سکتا۔ جب ایسی کوئی آیت ان کے پاس نہیں اور سورت طٰہٰ کی آیت مذکورہ ان لوگوں کی تردید کر رہی ہے تو ان لوگوں کو چاہئے کہ صحیح بخاری و صحیح مسلم اور امت مسلمہ کی متفقہ صحیح احادیث پر حملہ کرنے سے باز رہیں۔

تنبیہ ②: روایت مذکورہ میں جادو کی مدت کے دوران میں دینی امور اور وحی الٰہی کے سلسلے میں جادو کا کوئی اثر نہیں ہوا اور نہ قرآن کا کچھ حصہ لکھوانے سے رہ گیا ہے۔ بلکہ اس جادو کا اثر صرف دنیا کے معاملات پر ہوا مثلاً آپ اپنی فلاں زوجہ محترمہ کے پاس تشریف لے گئے یا نہیں؟ لہٰذا دین اسلام قرآن و حدیث کی صورت میں من وعن محفوظ ہے۔ والحمد للہ

منکر حدیث: ''(۶) کیا بندروں کی بھی شریعت ہوتی ہے؟

(جلد دوم۔ صفحہ نمبر ۴۴۷۔ روایت نمبر ۱۰۲۹)

عمر بن میمون سے روایت کرتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ میں نے زمانہ جاہلیت میں ایک بندر کو جس نے زنا کیا تھا دیکھا کہ بہت سے بندر اس کے پاس جمع ہو گئے اور ان سب نے اسے سنگسار کر دیا میں نے بھی ان سب کے ساتھ اسے سنگسار کر دیا۔ (روایت ختم)

تبصرہ: ۱۔ کیا یہ روایت وحی ہے شاید زانی کو سنگسار کرنے کی دلیل یہی روایت ہو البتہ سنا جاتا ہے کہ سنگساری کی آیت پہلے موجود تھی اب قرآن میں موجود نہیں ہے البتہ اس کا حکم باقی ہے۔

۲۔ کیا بندروں کی بھی شریعت ہوتی ہے؟ کیا ان کے بھی نکاح ہوتے ہیں اگر ان میں نکاح ہوتے ہیں تو زنا بھی ہو سکتا ہے اگر نکاح نہیں تو زنا کیسا؟ اور راوی کو یہ باتیں کس علم سے معلوم ہوئیں کیا وہ بندروں کی زبان جانتے تھے۔

راوی کا یہ بیان ہے کہ اس نے بھی بندروں کے ساتھ مل کر زانی بندر کو سنگسار کیا۔ جناب یہ راوی نے بہت بڑا جرم اور بندر بے چارے پر زیادتی کی ہے۔ احکام باری تعالیٰ کسی بھی جاندار پر ناحق ظلم سے بچنے کی ترغیب دیتے ہیں اب راوی نے جو بندر کو سنگسار کیا تو کیا اس نے کوئی جرم کیا تھا یا تو دنیا کی کسی بھی شریعت میں بندروں کے باہمی ملاپ کو جرم زنا ثابت کریں وگرنہ میں پھر کہوں گا کہ راوی نے یہ زیادتی کی ہے اس روایت کو بھی سنگسار کیا جائے۔''

(٦) الجواب:

امام بخاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ: ''حدثنا نعیم بن حماد: حدثنا هشیم عن حصین عن عمرو بن میمون قال: رأیت فی الجاهلیة قردةً اجتمع علیها قردة قدزنت، فرجموها فرجمتها معهم''
ہمیں نعیم بن حماد نے حدیث بیان کی (کہا): ہمیں ہشیم نے حدیث بیان کی، وہ حصین سے وہ عمرو بن میمون (تابعی) سے بیان کرتے ہیں کہ: میں نے جاہلیت (کے زمانے) میں ایک بندریا دیکھی جس نے زنا کیا تھا، اس پر بندر اکٹھے ہوئے، پس انہوں نے اسے رجم کیا اور میں نے ان کے ساتھ مل کر اسے رجم کیا (صحیح البخاری: ٣٨٤٩)
اس روایت کی سند کے سارے راوی ثقہ وصدوق ہیں۔ نعیم بن حماد کو جمہور محدثین نے ثقہ وصدوق کہا۔ ہشیم کی حصین بن عبدالرحمٰن سے روایت سماع پر محمول ہوتی ہے کیونکہ وہ حصین سے تدلیس نہیں کرتے تھے۔ دیکھئے شرح علل الترمذی لابن رجب (٥٦٢/٢) ہشیم کی متابعت کے لئے دیکھئے تاریخ دمشق لابن عساکر (٢٩٢/٤٩)
عمرو بن میمون مشہور تابعی اور ''ثقہ عابد'' تھے (دیکھئے التقریب: ٥١٢٢)
عمرو بن میمون سے یہ روایت عیسیٰ بن حطان نے مفصل بیان کر رکھی ہے (تاریخ ابن عساکر ٤٩/ ٢٩٢، ٢٩٣)
صحیح بخاری وتاریخ دمشق کے علاوہ یہ روایت درج ذیل کتابوں میں بھی ہے:
التاریخ الکبیر للبخاری (٣٦٧/٦) مستخرج الاسماعیلی اور مستخرج ابی نعیم الاصبہانی (دیکھئے فتح الباری ٧/ ١٦٠، ١٦١)
التاریخ الکبیر للامام ابن ابی خیثمة (ص ٥٦٩)
تابعی کی یہ روایت نہ قولِ رسول ہے اور نہ قولِ صحابی ہے بلکہ صرف تابعی کا قول ہے۔ اب اس قول میں بندروں سے کیا مراد ہے؟ حافظ ابن عبدالبر کے قول سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ بندر جن تھے۔ دیکھئے فتح الباری (١٦٠/٧)
جنوں کا وجود قرآن مجید سے ثابت ہے دیکھئے سورۃ الاحقاف (آیت: ٢٩) وغیرہ، کیا منکرین حدیث اور منکرین سزائے رجم کو اس بات پر اعتراض ہے کہ جنوں نے زنا کرنے والی جنیہ کو کیوں رجم کر دیا تھا؟
کیا جن مکلّف مخلوق نہیں ہیں؟
تنبیہ ①: شادی شدہ زانی کو سنگسار کرنا صحیح ومتواتر احادیث سے ثابت ہے مثلاً دیکھئے صحیح بخاری (٦٨١٤) وصحیح مسلم (١٧٠٢) اور نظم المتناثر من الحدیث المتواتر (ص ١٧٤ حدیث: ١٨٢)
تنبیہ ②: جنوں کا جانوروں کی شکل اختیار کرنا صحیح احادیث سے ثابت ہے مثلاً دیکھئے صحیح مسلم (ح ٢٢٣٦ وترقیم دارالسلام: ٥٨٣٩) وموطا امام مالک (٩٧٦/٢، ٩٧٧ ح ١٨٩٤)
تنبیہ ③: بندر کی شکل اختیار کئے ہوئے زانی جن کی حمایت میں یہ کہنا کہ ''بندر بے چارے پر زیادتی کی ہے'' کو زنا کرنے والے جنوں (اور زانی انسانوں) کی حمایت کے سوا اور کیا نام دیا جا سکتا ہے؟ منکرین حدیث کو یہ ثابت کرنا چاہئے کہ ان کے نزدیک جنوں کے لئے زنا کرنا معاف ہے!!

منکرحدیث: ''(۷) فاتوا حرثکم انّٰی شئتم کی تفسیر

(جلد دوم۔صفحہ نمبر ۱۳۷روایت نمبر ۱۶۴۱)

دوسری سند عبدالصمد۔عبدالوارث۔ایوب۔نافع سے وہ ابن عمرؓ سے بیان کرتے ہیں کہ فاتوا حرثکم انّٰی شئتم سے مطلب یہ ہے کہ مرد عورت سے جماع کرے بعض لوگ اغلام کرتے تھے چنانچہ اس آیت سے اس فعل سے روکا گیا ہے۔لمبی حدیث ہے یحییٰ قطان۔عبداللہ۔نافع ابن عمر سے روایت کرتے ہیں۔

تبصرہ: اغلام کرنے والے کون تھے صحابہ یا کوئی اور۔مدنی دور تک یہ فعل چلتا رہا.......... انی شئتم سے مراد جس وقت جب دل چاہے بھی ہو سکتا ہے نہ کہ جس طرف سے یا جہاں سے''

(۷) الجواب:

صحیح بخاری میں لکھا ہوا ہے کہ:

" حدثني إسحاق :أخبرنا النضر بن شميل :أخبر نا ابن عون عن نافع قال: كان ابن عمر رضي الله عنهما إذا قرأالقرآن لم يتكلم حتى يفرغ منه، فأخذت عليه يوماً فقرأ سورة البقرة حتى انتهى إلى مكان قال: تدري فيما أنزلت؟ قلت: لا، قال: أنزلت في كذاو كذا ثم مضى۔

وعن عبدالصمد: حدثني أبي: حدثني أيوب عن نافع عن ابن عمر ﴿فَأْتُوْا حَرْثَكُمْ اَنّٰى شِئْتُمْ﴾ قال: يأتيها في۔

رواه محمد بن يحيٰى بن سعيد عن أبيه عن عبيد الله عن نافع عن ابن عمر۔"

ہمیں اسحاق (بن راہویہ) نے حدیث بیان کی: ہمیں نضر بن شمیل نے خبر دی: ہمیں (عبداللہ) ابن عون نے خبر دی وہ نافع سے بیان کرتے ہیں، کہا: ابن عمر رضی اللہ عنہما جب قرآن پڑھتے تو (قراءت سے) فارغ ہونے تک کوئی کلام نہ کرتے۔ ایک دن میں نے ان کے سامنے (قرآن مجید) لیا تو آپ نے سورۃ البقرہ پڑھی، جب آپ ایک مقام پر پہنچے، فرمایا: تجھے پتا ہے یہ کس کے بارے میں نازل ہوئی ہے؟ میں نے کہا: نہیں، آپ نے فرمایا: یہ اس اس کے بارے میں نازل ہوئی ہے، پھر آپ (تلاوت میں لگ) گئے۔

عبدالصمد (بن عبدالوارث) سے روایت ہے: مجھے میرے ابا (عبدالوارث) نے حدیث بیان کی: مجھے ایوب (سختیانی) نے حدیث بیان کی وہ نافع سے وہ ابن عمر سے روایت کرتے ہیں۔انہوں نے ﴿فَأْتُوْا حَرْثَكُمْ اَنّٰى شِئْتُمْ﴾ اپنی کھیتی کو آؤ جس طرح چاہو (البقرۃ:۲۲۳) کی تشریح میں فرمایا:---میں آئے۔

روایت کیا محمد بن یحییٰ بن سعید (القطان) نے اپنے والد سے انہوں نے عبیداللہ (بن عمر) سے انہوں نے نافع سے انہوں نے ابن عمر سے۔'' (صحیح بخاری: ۴۵۲۶، ۴۵۲۷)

اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ اس روایت میں ''بعض لوگ اغلام کرتے تھے'' کے الفاظ سرے سے موجود ہی نہیں ہیں لہٰذا

منکرِ حدیث نے صحیح بخاری پر جھوٹ بولا ہے۔
سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما کے اس قول کا مطلب یہ ہے کہ اپنی بیوی سے بچہ پیدا ہونے والی جگہ میں جماع کرنا چاہئے دیکھئے صحیح بخاری مترجم (ترجمہ وتشریح محمد داود راز ۶/۱۰۰ مطبوعہ مکتبہ قدوسیہ لاہور) والسنن الکبریٰ للنسائی (۸۹۷۸ وسندہ حسن، دوسرا نسخہ: ۸۹۲۹) لہٰذا اس قول سے لواطت کا جواز ثابت کرنا بہت بڑا جھوٹ ہے۔

منکر حدیث: ''(۸) کیا چوہے قوم بنی اسرائیل کا گمشدہ گروہ ہیں۔
(جلد دوم صفحہ نمبر ۲۴۶ روایت نمبر ۵۳۴)
ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ بنی اسرائیل کا ایک گروہ گم ہوگیا معلوم نہیں کیا ہوا۔ میرا خیال ہے کہ یہ چوہے (مسخ شدہ صورت میں) وہی گم ہوا گروہ ہے یہی وجہ ہے کہ جب ان کے سامنے اونٹ کا دودھ رکھا جاتا ہے تو نہیں پیتے اور جب بکری وغیرہ کا دودھ رکھا جائے تو پی لیتے ہیں پھر میں نے کعب سے یہ حدیث بیان کی تو انہوں نے کہا تم نے خود رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے۔ میں نے کہا ہاں انہوں نے کئی مرتبہ مجھ سے یہی کہا تو میں نے کہا اور کیا، میں تورات پڑھا ہوا ہوں۔
تبصرہ: مسخ شدہ اقوام کے تین دن سے زیادہ زندہ نہ رہنے کی وحی آنے سے پہلے یہ حدیث ہے۔
مندرجہ بالا روایت آپؐ کا ذاتی خیال ہے یا وحی ہے خط کشیدہ الفاظ پر غور کریں.... پھر روایت کا متن دیکھیں کیا آپؐ یہ بھی نہ جانتے تھے کہ دو ہزار سال بعد بھی بنی اسرائیل جن کی شکلیں مسخ کی گئی تھیں زندہ ہیں نبیؐ کے علم کا یہ تصور (معاذ اللہ)''

(۸) الجواب:

یہ روایت صحیح بخاری (۳۳۰۵) کے علاوہ درج ذیل کتابوں میں موجود ہے:
صحیح مسلم (۲۹۹۷ وترقیم دارالسلام: ۷۴۹۶، ۷۴۹۷) صحیح ابن حبان (الاحسان ۸/۵۲ ح ۶۲۲۵ دوسرا نسخہ: ۶۲۵۸) الرقاق لابی عوانہ (اتحاف المہرۃ ۱۵/۵۵۵ ح ۱۹۸۷۲) مسند ابی یعلیٰ (۱۰/۴۲۰ ح ۶۰۳۱) شرح السنۃ للبغوی (۱۲/۲۰۰ ح ۳۲۷۱ وقال: ''ھذا حدیث متفق علی صحتہ'') مشکل الآثار للطحاوی (۸/۳۳۹ ح ۶۰۰۸)
اسے امام بخاری رحمہ اللہ سے پہلے امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ نے روایت کیا ہے (المسند ۲/۲۳۴، ۲۷۹، ۲۸۹، ۴۱۱، ۴۹۷، ۵۰۷)
سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے یہ حدیث مشہور تابعی محمد بن سیرین نے بیان کی ہے۔ اس کی دوسری سند ''عن أبي سلمة عن أبي هريرة'' کے لئے دیکھئے مشکل الآثار (طبعہ جدیدہ، تحفۃ الاخیار: ۶۰۰۹)
معلوم ہوا کہ یہ روایت اصولِ حدیث کی رو سے بالکل صحیح ہے۔ اسے محدثینِ کرام نے بغیر کسی اختلاف کے صحیح قرار دیا ہے۔
یہ حدیث دوسری صحیح حدیث کی وجہ سے منسوخ ہے۔ سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ نبی ﷺ نے فرمایا:
''إن الله عزوجل لم يهلك قوماً أو يعذب قوماً فيجعل لهم نسلاً'' بے شک اللہ تعالیٰ جب کسی قوم کو

ہلاک کرتا ہے تو پھر ان کی نسل باقی نہیں رکھتا (صحیح مسلم: ۲۶۶۳ وترقیم دارالسلام: ۶۷۷۲) نیز دیکھئے فتح الباری (۱۶۰/۷) ومشکل الآثار (۳۳۹/۸، ۳۴۱، ۳۸۱/۶) منسوخ روایت کو پیش کر کے صحیح احادیث کا مذاق اڑانا ان لوگوں کا ہی کام ہے جو قرآن کو ''بلا رسول'' سمجھنے کا دعویٰ رکھتے ہیں۔!

منکر حدیث: ''(۹) گوشت کے سڑنے اور عورتوں کے خائن ہونے کی وجہ

(جلد دوم۔ صفحہ ۲۵۳۔ روایت نمبر ۵۵۷)

ابو ہریرہؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اگر بنی اسرائیل نہ ہوتے تو گوشت کبھی نہ سڑتا اور اگر حوّا نہ ہوتی تو کوئی عورت اپنے شوہر سے خیانت نہ کرتی۔ (روایت ختم ہوئی)

تبصرہ: اگر بنی اسرائیل نہ ہوتے تو گوشت کبھی نہ سڑتا۔ جب کہ تجربہ اس بات پر شاہد ہے کہ گوشت کے گلنے سڑنے کی وجہ قوم بنی اسرائیل نہیں بلکہ جراثیم ہیں۔ گوشت کا گلنا سڑنا تو ایک کائناتی نظام ہے اور وجودِ اقوام عالم اس کائناتی نظام میں تغیر کا باعث نہیں بنتا۔

اگر گوشت آجکل گل سڑ جاتا ہے تو بنی اسرائیل سے پہلے بھی یہ نظام کائنات ایسے ہی چلتا رہا ہوگا ورنہ مشرکوں کو اپنے گئے گذرے بزرگوں کے بت بنا کر پوجنے کی کیوں ضرورت پیش آئی جب اجسام گلتے سڑتے نہیں تھے تو وہ ان کی مردہ لاشوں کو ہی نکال کر اپنے بت کدوں میں سجا لیتے ان کے بت بنانے کی کیا ضرورت تھی۔

اور قرآن مجید میں تو صاف اور واضح ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو مٹی سے پیدا کیا اور دوبارہ اسے مٹی میں ہی لوٹا دیتا ہے اور پھر بروز قیامت اسے مٹی سے ہی نکال کھڑا کرے گا۔ اور جس طریقے سے انسان کی مردہ لاش گل سڑ کر مٹی ہوتی ہے اس سے بھی آپ واقف ہیں۔

تو اب فرمائیے کہ کیا نبی ﷺ کا یہ فرمان بذریعہ وحی تھا نعوذ باللہ کیا اللہ تعالیٰ خالق کائنات کو بھی گوشت کے سڑنے کی وجوہات معلوم نہ تھیں اور کیا سب عورتیں اسی وجہ سے خاوندوں کی خیانتیں کرتی ہیں جو وجہ مندرجہ بالا حدیث میں موجود ہے۔

کیا دونوں معاملات کی وجوہات اللہ تعالیٰ کی وحی فرمودہ ہے؟

﴿ كُلُّ نَفْسٍۭ بِمَا كَسَبَتْ رَهِينَةٌ ﴾ (مدثر: ۳۸)

ہر شخص اپنے اعمال کے بدلے رہن ہے۔ کوئی شخص دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھائے گا۔ تو کسی بھی شخصیت کا وجود یا اس کے ہاتھوں کسی قسم کے جرم کا ارتکاب آنے والی نسل کے پاؤں کی زنجیر کیونکر بن سکتا ہے۔ کسی شخصیت کے وجود کو کائناتی برائیوں کی جڑ سمجھنا خلافِ قرآن ہے فکر قرآن تو برے اعمال کو منحوس قرار دیتا ہے کسی شخصیت کے وجود کو نہیں (یٰسٓ)''

(۹) الجواب:

یہ روایت صحیح بخاری میں دو مقامات پر ہے (۳۳۹۹ من طریق عبدالرزاق، ۳۳۳۰ من طریق عبداللہ بن المبارک، کلاھما عن معمر عن ھمام عن أبي ھریرۃ بہ)

صحیح بخاری کے علاوہ یہ روایت درج ذیل کتابوں میں موجود ہے:

صحیح مسلم (۱۴۶۸/۶۳ وترقیم دارالسلام: ۳۶۴۸) صحیح ابن حبان (الاحسان ۴۱۵۷، نسخہ محققہ: ۴۱۶۹) شرح السنۃ للبغوی (۱۶۴/۹ ح ۲۳۳۵ وقال: ''ھذا حدیث متفق علی صحتہ'') المستخرج علی صحیح مسلم لابی نعیم الاصبہانی (۱۴۳/۴

ح ۳۴۵۰) امام بخاری سے پہلے اسے درج ذیل محدثین نے روایت کیا ہے:
ہمام بن منبہ (الصحیفۃ: ۵۸) احمد بن حنبل (المسند ۲/۳۱۵ ح ۸۱۵۵)
ہمام بن منبہ بالاجماع ثقہ ہیں لہٰذا یہ روایت بلحاظ اصول حدیث بالکل صحیح ہے۔ اس کے دوسرے شواہد کے لئے دیکھئے مسند اسحاق بن راہویہ (۱۱۷) و مسند احمد (۳۰۴/۲) و حلیۃ الاولیاء (۳۸۹/۸) و مستدرک الحاکم (۱۷۵/۴)
منکر حدیث نے اس حدیث کو رد کرتے ہوئے لکھا ہے کہ ''جب کہ تجربہ اس بات پر شاہد ہے کہ گوشت سڑنے کی وجہ قوم بنی اسرائیل نہیں بلکہ جراثیم ہیں.....''
عرض ہے کہ کیا ان جراثیم کی وجہ سے خود بخود گوشت خراب ہو جاتا ہے یا اس کے خراب ہونے میں اللہ تعالیٰ کی مشیئت ہے اور یہ جراثیم اسی کے پیدا کردہ ہیں؟
نام نہاد تجربے کی وجہ سے صحیح حدیث کا رد کرنا انہی لوگوں کا کام ہے جو یہ کہتے ہیں کہ رسول کا کام صرف قرآن پہنچانا تھا، اس نے پہنچا دیا۔ اب قرآن کو سمجھنے اور اس پر عمل کرنے کے لئے منکرین حدیث کے نزدیک رسول کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔!!
منکرین حدیث سے درخواست ہے کہ اس صحیح حدیث کو رد کرنے کے لئے قرآن مجید کی وہ آیت پیش کریں جس میں یہ لکھا ہوا ہو کہ بنی اسرائیل کے وجود سے پہلے بھی دنیا میں گوشت گل سڑ جاتا تھا۔ اگر قرآن سے دلیل پیش نہ کر سکیں تو پھر ایسی مشین ایجاد کریں جس کے ذریعے وہ لوگوں کو زمانۂ بنی اسرائیل سے پہلے والے دور میں لے جا کر دکھا دیں کہ دیکھو یہ گوشت گل سڑ رہا ہے۔ اور اگر ایسا نہ کر سکیں تو پھر سوچ لیں کہ نبی کریم ﷺ کا فرمان رد کرنے والوں کا کیا انجام ہوگا؟
تنبیہ: بعض علماء نے اس حدیث کی دیگر تشریحات بھی لکھی ہیں مثلاً دیکھئے ''مشکلات الأحادیث النبویۃ وبیانها'' (ص ۱۱) لیکن ظاہر الفاظِ کتاب و سنت پر ایمان لانے میں ہی نجات ہے۔ اِلا یہ کہ کوئی صحیح دلیل قرینہ صارفہ بن کر ظاہر کو مجاز کی طرف پھیر دے۔ والحمد للہ

منکر حدیث: ''(۱۰) نحوست تین چیزوں میں ہے؟

(جلد دوم صفحہ نمبر ۸۱ روایت نمبر ۱۲۲)

ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول ﷺ کو فرماتے سنا ہے کہ نحوست صرف تین چیزوں میں ہے۔ گھوڑے میں، عورت میں اور گھر میں۔
(روایت نمبر ۱۲۳) سہل بن سعد ساعدی روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے اگر نحوست کسی چیز میں ہوتی تو عورت میں ہوتی، مکان میں ہوتی۔ گھوڑے میں ہوتی۔
تبصرہ: مذکورہ بالا روایات ۱۲۲، ۱۲۳ اپنا تبصرہ آپ ہیں۔ ایک روایت میں تین چیزوں میں نحوست بیان کی گئی ہے جب کہ اللہ تعالیٰ نے ہر چیز کو بالحق پیدا کیا ہے منحوس اور باطل پیدا نہیں کیا۔ انسان کا کردار تو منحوس ہو سکتا ہے لیکن اللہ تعالیٰ کی کسی بھی مخلوق کی تخلیق میں نحوست نہیں سکتی۔ اللہ تعالیٰ کی ہر مخلوق کے نتائج خیر پر مبنی ہوتے ہیں۔
دوسری روایت میں مشروط نفی ہے کہ اگر نحوست ہوتی تو ان تین چیزوں میں ہوتی۔ ایک ہی صفحہ پر ایسی متضاد روایات کی مثال کہیں ملنا ناممکن ہے اور پھر ان دونوں روایات کو وحی کہہ کر نبی ﷺ کے ذریعے اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کیا جاتا ہے۔''

(۱۰) الجواب:

سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی بیان کردہ یہ روایت صحیح بخاری میں چار مقامات پر ہے (۲۸۵۸، ۵۰۹۳، ۵۷۵۳، ۵۷۷۲)
صحیح بخاری کے علاوہ یہ روایت درج ذیل کتابوں میں بھی موجود ہے:
صحیح مسلم (۲۲۲۵ ترقیم دارالسلام: ۵۸۰۴، ۵۸۰۵) التوکل للامام ابن خزیمہ (اتحاف المھرۃ ۸/۳۰۷ ح ۹۴۳۴)
وسنن ابی داود (۳۹۲۲) وسنن الترمذی (۲۸۲۴ وقال: ھذا حدیث صحیح) وسنن النسائی (۶/۲۲۰ ح ۳۵۹۸، ۳۵۹۹)
وسنن ابن ماجہ (۱۹۹۵) وشرح معانی الآثار للطحاوی (۴/۳۱۳) ومشکل الآثار لہ (تحفۃ الاخیار ۱/۲۱۸ ح ۲۰۵)
وشرح السنۃ للبغوی (۹/۱۳ ح ۲۲۴۴ وقال: ''ھذا حدیث متفق علی صحتہ'') مسند ابی یعلیٰ (۵۴۳۳، ۵۴۹۰، ۵۵۳۵) [وغیرہ]
امام بخاری سے پہلے درج ذیل محدثین نے بھی اسے روایت کیا ہے:
امام مالک (الموطا ۲/۹۷۲ ح ۱۸۸۳، التمہید ۹/۲۷۸) عبدالرزاق (المصنف ۱۰/۴۱۱ ح ۱۹۵۲۷) ابو داود الطیالسی (۱۸۲۱) ابوبکر الحمیدی (۶۲۱) اور احمد بن حنبل (۲/۸ ح ۴۵۴۴ و ۲/۵۲، ۱۱۵، ۱۲۶، ۱۳۶)
سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے اسے درج ذیل جلیل القدر تابعین نے بیان کیا ہے:

① سالم بن عبداللہ بن عمر

② حمزہ بن عبداللہ بن عمر

معلوم ہوا کہ یہ حدیث بالکل صحیح ہے، اسے شاذ یا معلول قرار دینا غلط ہے لیکن یہ حدیث دوسری روایات کی وجہ سے منسوخ ہے۔
نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''إن کان الشؤم في شيئ ففی الدار والمرأۃ والفرس'' اگر بدشگونی کسی چیز میں ہوتی تو گھر، عورت اور گھوڑے میں ہوتی (صحیح بخاری: ۵۰۹۴ و صحیح مسلم: ۲۲۲۵ دارالسلام: ۵۸۰۷، ۵۸۰۹ عن ابن عمر رضی اللہ عنہما)
یہ روایت، اس مفہوم کے ساتھ درج ذیل صحابہ سے بھی موجود ہے:

① سہل بن سعد الساعدی (صحیح بخاری: ۲۸۵۹، ۵۰۹۵ و صحیح مسلم: ۲۲۲۶ دارالسلام: ۵۸۱۰)

② جابر بن عبداللہ الانصاری (صحیح مسلم: ۲۲۲۷ دارالسلام: ۵۸۱۲)

خلاصۃ التحقیق: یہ روایت بہ اصول محدثین بالکل صحیح ہے لیکن دوسری روایات کی وجہ سے منسوخ ہے۔ یہ علیحدہ بات ہے کہ دنیا میں جھگڑے فساد کی جڑ عام طور پر یہی تین چیزیں ہیں۔ عورت، گھر (زمین) اور گھوڑا (یعنی فوجیں) واللہ اعلم۔
نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ ''لا طیرۃ'' کوئی نحوست اور بدشگونی نہیں ہے (صحیح بخاری: ۵۷۵۴ و صحیح مسلم: ۲۲۲۳ عن سیدنا ابی ہریرۃ رضی اللہ عنہ)
نیز دیکھئے فتح الباری (۶/۶۰۔۶۳ تحت ح ۲۸۵۸، ۲۸۵۹) والحمد للہ

منکر حدیث: ''(۱۱) صحابہ رضی اللہ عنہم کی کردار کشی

(جلد اول۔صفحہ نمبر ۸۲۰ روایت نمبر ۲۲۱۱)

حسینؓ ابن علیؓ علی بن ابی طالب سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے بیان کیا کہ مجھے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ بدر کے دن ایک اونٹنی ملی اور پھر رسول اللہ ﷺ نے ایک اونٹنی اور دی ان دونوں کو ایک دن میں نے ایک انصاری کے دروازے پر بٹھایا اور میں ارادہ کرر ہا تھا کہ ان دونوں پر اذخر لادکر لے جاؤں تا کہ بیچوں اور میرے ساتھ بنی قینقاع کا ایک سنار تھا اس سے فاطمہؓ کے ولیمہ کی دعوت میں مدد لوں حمزہؓ بن عبدالمطلب اسی گھر میں شراب پی رہے تھے ان کے ساتھ ایک گانے والی تھی الایا حمزۃ بشرف النوا ء۔اے حمزہ آ گار ہو فربہ اونٹنیاں لے لو۔حمزہ ان دونوں اونٹنیوں کی طرف تلوار لے کر جھپٹ پڑے ان کے کوہان کاٹ ڈالے اور کولہے کاٹ ڈالے پھر ان دونوں کی کلیجیاں کاٹ ڈالیں میں نے ابن شہاب سے پوچھا کوہان کیا ہوا کہا کوہان کاٹ کر لے گئے ابن شہاب کا بیان ہے کہ علیؓ نے کہا کہ میں نے ایسا منظر دیکھا جس نے مجھے دہشت زدہ کر دیا۔ میں (یعنی علیؓ) نبی ﷺ کے پاس حاضر ہوا اور آپ کے پاس زیدؓ بن حارثہ بھی تھے۔میں نے آپ سے واقعہ بیان کیا تو آپ چلے اور آپ کے ساتھ زیدؓ بھی چلے میں بھی آپ کے ساتھ روانہ ہوا۔آپ حمزہؓ کے پاس پہنچے اور بہت غصہ ہوئے حمزہؓ نے نگاہ اٹھائی اور کہا کیا تم میرے باپ دادوں کے غلام ہو؟ رسول اللہ ﷺ الٹے پاؤں واپس ہو گئے اور ان کے پاس سے چلے گئے (یہ شراب کے حرام ہونے سے پہلے کا واقعہ ہے)

تبصرہ: کیا غیر محرم کے ساتھ گانا بھی مباح تھا اس کے علاوہ دوسری روایت اسی مضمون کی جو بخاری جلد دوم صفحہ ۵۱۵ روایت نمبر ۱۱۸۰ جس میں یاروں کی مجلس کا بھی ذکر ہے۔علیؓ کی اجازت کے بغیر ان کی دو اونٹنیوں کا جھٹکا کر دیا۔

صحابہؓ کا یہ کردار خلافِ قرآن سمجھا جائے گا لہٰذا یہ حقیقت کی بجائے صحابہ پر بہتان ہوگا۔''

(۱۱) الجواب:

یہ روایت صحیح بخاری میں پانچ مقامات پر موجود ہے (۲۰۸۹، ۲۳۷۵، ۳۰۹۱، ۴۰۰۳، ۵۷۹۳ مختصراً و مطولاً)

صحیح بخاری کے علاوہ یہ روایت درج ذیل کتابوں میں بھی موجود ہے:

صحیح مسلم (۱۹۷۹ و ترقیم دارالسلام: ۵۱۲۷۔۵۱۳۰) صحیح ابن حبان (الاحسان ۷/۳۴ ح ۴۵۱۹ دوسرا نسخہ: ۴۵۳۶) صحیح ابی عوانہ (۵/۲۴۸، ۲۴۹، ۲۵۰، ۲۵۱، ۲۵۲) وسنن ابی داود (۲۹۸۶) والسنن الکبریٰ للبیہقی (۶/۱۵۳، ۳۴۱، ۳۴۲) ومسند ابی یعلیٰ (۵۴۷) امام بخاری رحمہ اللہ سے پہلے یہ حدیث امام احمد رحمہ اللہ نے بیان کی ہے۔

دیکھئے مسند احمد بن حنبل (۱/۱۴۲ ح ۱۲۰۰)

اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ یہ روایت صحیح ثابت اور مشہور ہے۔اس سلسلے میں چند اہم معلومات درج ذیل ہیں:

① یہ واقعہ غزوۂ احد (۳ھ) سے پہلے اور غزوۂ بدر (۲ھ) کے بعد کا ہے۔

② شراب (خمر) کی حرمت کا حکم ۶ھ یا ۷ھ میں نازل ہوا۔اس سے پہلے شراب حرام نہیں تھی۔

③ اس حدیث میں ذکر کردہ دور میں گانے والی لونڈیوں کا گانا حرام نہیں ہوا تھا۔یاد رہے کہ اس روایت میں موسیقی کے آلات کا ذکر نہیں بلکہ صرف لونڈی کا (آواز سے) گانا مذکور ہے۔گانے بجانے کی حرمت دوسری احادیث سے ثابت ہوتی ہے (مثلاً دیکھئے صحیح بخاری: ۵۵۹۰)

لہٰذا اس روایت سے گانے بجانے کے جواز پر استدلال کرنا منسوخ ہے۔

④ بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے زنا کا صدور بھی ثابت ہے (دیکھئے صحیح بخاری: ۶۸۲۰ و صحیح مسلم: ۱۶۹۱)

⑤ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بخشے ہوئے اور جنتی ہیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''اطلع الله علی أهل بدر فقال: اعملوا ماشئتم ، فقد غفرت لكم'' بدری صحابیوں کے سامنے اللہ ظاہر ہوا اور فرمایا: جو چاہو کرو، میں نے تمہیں بخش دیا ہے (مسند احمد ۲/۲۹۵ ح ۷۹۴۰ وسندہ حسن)

سیدنا امیر حمزہ البدری رضی اللہ عنہ کا یہ عمل نشے کی وجہ سے تھا انہیں اللہ نے بخش دیا اور جنت الفردوس میں داخل کر دیا ہے لہٰذا منکرینِ حدیث کا یہ کہنا کہ ''صحابہ کا یہ کردار خلافِ قرآن سمجھا جائے گا'' مردود ہے کیونکہ یہ واقعہ حرمتِ خمر سے پہلے کا ہے۔

منکرِ حدیث: ''(۱۲) کیا وحی خیالِ مشکوک کا نام ہے

(جلد دوم صفحہ ۲۶۳ روایت نمبر ۵۷۳)

ابو سعید خدریؓ روایت کرتے ہیں کہ رسولؐ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ قیامت کے دن فرمائے گا اے آدمؑ۔ وہ عرض کریں گے میں حاضر ہوں اور باریابی میں ہوں اور ہر بھلائی تیرے ہاتھ میں ہے۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا دوزخ میں جانے والا لشکر نکالو وہ عرض کریں گے دوزخ کا کتنا لشکر ہے۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا فی ہزار نوسو ننانوے دوزخ میں اور ایک جنت میں جائے گا پس وہ ایسا وقت ہوگا کہ خوف کے مارے بچے بوڑھے ہو جائیں گے اور ہر حاملہ کا حمل گر جائے گا اور تم کو لوگ نشہ کی سی حالت میں نظر آئیں گے حالانکہ وہ نشہ میں نہ ہوں گے بلکہ اللہ کا عذاب سخت ہوگا صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ ہم میں سے جنت میں جانیوالا فی ہزار ایک کون ہوگا آپؐ نے فرمایا: خوش ہو جاؤ کیونکہ تم میں ایک آدمی ہوگا اور یاجوج ماجوج میں سے ایک ہزار۔ پھر آپؐ نے فرمایا: قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے مجھے امید ہے کہ تم جنت کا چوتھائی حصہ ہو گے تو ہم لوگوں نے تکبیر پڑھی پھر آپ نے فرمایا: مجھے امید ہے کہ تم اہل جنت کا ایک تہائی حصہ ہو گے ہم نے پھر تکبیر کہی تو آپؐ نے فرمایا تم اہل جنت کا نصف ہو گے یعنی تم نصف اور نصف دوسرے لوگ ہوں گے ہم نے پھر اللہ اکبر کہا آپؐ نے فرمایا تم تو اور لوگوں کے مقابلے میں ایسے ہو جیسے سیاہ بال سفید بیل کے جسم پر یا سفید بال سیاہ بیل کے جسم پر۔ (روایت ختم)

تبصرہ: خط کشیدہ الفاظ پر غور فرمائیں کیا وحی ایسے ہی الفاظ میں نازل ہوتی ہے یعنی مجھے امید ہے یا یہ کہا جاتا ہے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کیا اللہ تعالیٰ بھی حتمی طور پر ایک بات نہیں بتلاتا۔ کیا وحی خیال مشکوک کا نام ہوتا ہے۔

نوٹ: بخاری میں دوسرے مقام پر یعنی کتاب التفسیر میں بھی اسی مضمون کی روایت ہے زیر تفسیر آیت وتری الناس سکٰری روایت نمبر ۱۸۵۲۔۲/۸۵۵ جلد دوم''

(۱۲) الجواب:

یہ حدیث صحیح بخاری میں تین مقامات پر موجود ہے (۳۳۴۸، ۴۷۴۱، ۶۵۳۰)

اسے امام بخاری کے علاوہ درج ذیل محدثین نے بھی روایت کیا ہے:

مسلم (الصحیح: ۲۲۲) النسائی فی الکبریٰ (۱۱۳۳۹ والتفسیر: ۳۵۹) ابو عوانہ (المسند ۱/۸۸۔۹۰) عبد بن حمید (المنتخب: ۹۱۷) ابن جریر الطبری (التفسیر ۱۷/۸۷، تہذیب الآثار ۲/۵۲) البیہقی (شعب الایمان: ۳۶۱) ابن مندہ (الایمان: ۸۸۱)

امام بخاری سے پہلے درج ذیل محدثین نے اسے روایت کیا ہے:

احمد بن حنبل (المسند ۳/ ۳۲) وکیع (نسخہ وکیع عن الاعمش ص ۸۵، ۸۶ ح ۲۷)

سیدنا ابو سعید الخدری رضی اللہ عنہ کے علاوہ اسے سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے بھی بیان کیا ہے، دیکھئے صحیح بخاری (۶۵۲۸، ۶۶۴۲) وصحیح مسلم (۲۲۱)

لہٰذا یہ روایت بالکل صحیح اور قطعی الثبوت ہے۔ اس میں ''خیالِ مشکوک'' والی کوئی بات نہیں بلکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے درجہ بدرجہ اپنے صحابہ کے ایمان کو مضبوط کرنے کے لئے پہلے ایک چوتھائی پھر ایک ثلث اور آخر میں نصف کا ذکر فرمایا۔ یہ عام لوگوں کو بھی معلوم ہے کہ نصف میں ایک ثلث اور ایک چوتھائی دونوں شامل ہوتے ہیں لہٰذا منکرین حدیث کا اس حدیث پر حملہ مردود ہے۔ منکرین حدیث کی ''خدمت'' میں عرض ہے کہ سورۃ الصّٰفّٰت کی آیت نمبر ۱۴۷ کی وہ کیا تشریح کرتے ہیں؟ دوسرے یہ کہ حدیث مذکور کس قرآنی آیت کے خلاف ہے؟

منکر حدیث: ''(۱۳) کیا وحی مشکوک ہوتی ہے؟

(جلد اول صفحہ ۸۳۱ روایت نمبر ۲۲۴۳)

ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ دو آدمیوں نے ایک دوسرے کو گالی دی ایک مسلمان اور دوسرا یہودی تھا مسلم نے کہا قسم ہے اس ذات کی جس نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو ساری دنیا پر فضیلت دی اور یہودی نے کہا قسم ہے اس ذات کی جس نے موسیٰ کو ساری دنیا پر فضیلت دی۔ مسلمان نے یہ سن کر یہودی کے چہرے پر تھپڑ مارا۔ یہودی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پہنچا اور جو کچھ مسلمان اور اس کے درمیان گذرا تھا بیان کر دیا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمان کو بلایا اور اس کے متعلق پوچھا اس نے سارا حال بیان کیا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مجھ کو موسیٰ پر فضیلت نہ دو اس لئے کہ لوگ قیامت کے دن بیہوش ہو جائیں گے میں بھی ان لوگوں کے ساتھ بے ہوش ہو جاؤں گا سب سے پہلے مجھے ہوش آئے گا۔ میں دیکھوں گا کہ موسیٰ عرش کا کونہ پکڑے ہوئے ہوں گے۔ میں نہیں جانتا کہ وہ بے ہوش ہو کر مجھ سے پہلے ہوش میں آجائیں گے یا اللہ تعالیٰ نے ان کو بیہوشی سے مستثنیٰ کر دیا ہے۔ (روایت ختم)

تبصرہ: میں نہیں جانتا اور باقی خط کشیدہ الفاظ پر غور فرمائیں۔ سب لوگوں کی بے ہوشی پر اطلاع دے دی اور اگلی اطلاع بذریعہ وحی نہ مل سکی ''میں نہیں جانتا'' اور دوسرے لفظ ''یا'' پر غور فرمائیں۔ کیا وحی مشکوک ہوتی ہے؟ وما علینا الا البلغ المبین ''

(۱۳) الجواب:

یہ حدیث صحیح بخاری میں سات مقامات پر ہے (۲۴۱۱، ۳۴۰۸، ۴۸۱۳، ۳۴۱۴، ۶۵۱۷، ۶۵۱۸، ۷۴۷۲)

اسے امام بخاری کے علاوہ درج ذیل محدثین نے بھی روایت کیا ہے:

مسلم بن الحجاج (صحیح مسلم: ۲۳۷۳) طحاوی (مشکل الآثار، طبعہ قدیمہ ۱/ ۴۴۵، معانی الآثار ۴/ ۳۱۶) ابو یعلیٰ (المسند: ۶۶۴۳) النسائی (السنن الکبریٰ: ۷۷۵۸، ۱۱۴۵۷) ابو داود (السنن: ۴۶۷۱) ترمذی (السنن: ۳۲۴۵ وقال: ''ھذا حدیث حسن صحیح'') ابن ماجہ (السنن: ۴۲۷۴) البغوی (شرح السنۃ ۱۵/ ۱۰۶ ح ۴۳۰۲ وقال: ''ھذا حدیث متفق علی صحتہ'') البیہقی (دلائل النبوۃ ۵/ ۴۹۲)

امام بخاری رحمہ اللہ سے پہلے امام احمد رحمہ اللہ نے اسے روایت کیا ہے۔ دیکھئے مسند احمد بن حنبل (۲/ ۲۶۴، ۴۵۰)

یہ روایت سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے درج ذیل جلیل القدر ثقہ تابعین نے بیان کی ہے۔

① سعید بن المسیب

② ابوسلمہ بن عبدالرحمٰن

③ عبدالرحمٰن الاعرج

④ عامر الشعبی

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے علاوہ اسے سیدنا ابوسعید الخدری رضی اللہ عنہ نے بھی روایت کیا ہے (صحیح بخاری: ۲۴۱۲ وصحیح مسلم: ۲۳۷۴ ومصنف ابن ابی شیبہ ۱۱/۵۲۶ ح ۳۱۸۲۸)

معلوم ہوا کہ یہ روایت بالکل صحیح ہے لہٰذا منکر حدیث کا اس سے ''کیا وحی مشکوک ہوتی ہے؟'' کشید کرنا باطل ہے۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد کہ ''میں نہیں جانتا'' الخ قرآن کریم کی درج ذیل آیت کے مطابق ہے۔

﴿وَلَآ اَعْلَمُ الْغَيْبَ﴾ [آپ کہہ دیں کہ....] اور میں غیب نہیں جانتا (سورۃ الانعام: ۵۰)

نیز ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ ﴿وَاِنْ اَدْرِیْٓ اَقَرِيْبٌ اَمْ بَعِيْدٌ مَّا تُوْعَدُوْنَ﴾ [سورۃ الانبیآء: ۱۰۹]

ترجمہ از شاہ ولی اللہ الدہلوی: ''ونمی دانم کہ نزدیک است یا دور است آنچہ وعدہ دادہ میشوید'' (ص ۳۹۹)

ترجمہ از شاہ عبدالقادر: ''اور میں نہیں جانتا، نزدیک ہے یا دور ہے، جو تم کو وعدہ ملتا ہے'' (ص ۳۹۹)

ترجمہ از احمد رضا خان بریلوی: ''میں کیا جانوں کہ پاس ہے یا دور ہے وہ جو تمہیں وعدہ دیا جاتا ہے'' (ص ۵۳۱)

معلوم ہوا کہ منکرین حدیث حضرات، احادیث صحیحہ کی مخالفت کے ساتھ ساتھ قرآنی آیات کے بھی مخالف ہیں۔ ان کے پاس نہ حدیث ہے اور نہ قرآن ہے، بس وہ اپنی خواہشات اور بعض نام نہاد ''مفکرین قرآن'' کے خودساختہ نظریات و تحریفات کے پیچھے دوڑ رہے ہیں۔ مرنے سے پہلے پہلے رب کریم کی طرف سے مہلت ہے، جو شخص توبہ کرنا چاہے کر لے ورنہ یاد رکھے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے باغیوں اور سرکشوں کے لئے جہنم کی دہکتی ہوئی آگ تیار کر رکھی ہے۔ اے اللہ! تو ہمیں اپنی پناہ میں رکھ۔ اے اللہ! تو ہمیں کتاب و سنت پر ثابت قدم رکھ اور اسی پر ہمارا خاتمہ فرما۔ اے اللہ! ہمارے سارے گناہ معاف فرما دے، آمین۔

[انتھی] (۱۳ ذوالقعدہ ۱۴۲۶ھ)

شذرات الذہب — **تبلیغی پروگرام کا افتتاح قرآن کی تلاوت سے** — ابومعاذ

ابونضرہ (المنذر بن مالک بن قُطعَہ العبدی البصری رحمہ اللہ، تابعی/ متوفی ۱۰۸ھ) فرماتے ہیں کہ:

''**كان أصحاب رسول الله ﷺ إذا اجتمعوا، تذاكروا العلم وقرءوا سورة** ''

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ جب (علمی مجلس وغیرہ کے لئے) اکٹھے ہوتے (تو) علمی مذاکرہ کرتے اور ایک سورت پڑھتے تھے۔ [الجامع لاخلاق الراوی وآداب السامع: ۱۲۰۷ وسندہ صحیح]

خطیب بغدادی کی تبویب سے معلوم ہوتا ہے کہ مجلس کی ابتدا اور آغاز میں یہ قراءتِ قرآن ہوتی تھی۔

مؤلف: ابوعبدالرحمٰن الفوزی — مترجم: محمد صدیق رضا

سیدنا عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کے دخول جنت کی کیفیت سے متعلق قصہ

قصہ نمبر۳: '' بينما عائشة في بيتها إذ سمعت صوتاً في المدينة فقالت: ماهذا؟ قالوا: عير لعبدالرحمن بن عوف قدمت من الشام تحمل من كل شيءٍ، قال فكانت سبع مائة بعير، فارتجت المدينة من الصوت فقالت عائشة: سمعت رسول الله ﷺ يقول: قد رأيت عبدالرحمن بن عوف يدخل الجنة حبواً، فبلغ ذلك عبدالرحمن فقال: إن استطعت لأدخلنّها قائماً، فجعلها بأقتابها وأحمالها في سبيل الله عزوجل. ''

سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا اپنے گھر میں تشریف فرما تھیں کہ اس دوران انہوں نے مدینہ میں ایک آواز سنی، فرمایا: یہ کیا ہے؟ تو انہیں بتلایا گیا کہ عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کا قافلہ ہے جو ملک شام سے لوٹا ہے، جس میں سات سو اونٹ تھے، جو بہت سی چیزوں سے لدے ہوئے تھے۔ (اس کی) آواز سے مدینہ لرز اٹھا، پس سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا، آپ فرمارہے تھے کہ: میں عبدالرحمٰن بن عوف کو جنت میں داخل ہوتے ہوئے اس حال میں دیکھ رہا ہوں کہ وہ سرین کے بل گھسٹتے ہوئے داخل ہورہے ہیں۔ پس یہ (خبر) سیدنا عبدالرحمٰن بن عوف تک پہنچی تو انہوں نے فرمایا: اگر میرے لئے ممکن ہوا تو میں ضرور کھڑا ہو کر جنت میں داخل ہوں گا، پس آپ نے وہ سارے (اونٹ) ان کے پالان، ان کے لدان (یعنی تمام ساز وسامان) سمیت اللہ کی راہ میں خرچ کر دیا۔ [کذب منکر] (یہ منکر اور جھوٹا قصہ ہے)

اس روایت کو امام احمد نے اپنی مسند (ج۶ ص۱۱۵ ح۲۵۳۵۳/۲۴۸۴۲) طبرانی نے المعجم الکبیر (ج۱ ص۱۲۹ ح۲۶۴) اورابونعیم نے معرفۃ الصحابۃ (ج۱ ص۳۱) میں عمارة بن زاذان عن ثابت البناني عن أنس بن مالك رضي الله عنه کی سند سے ذکر کیا ہے۔ میں (فوزی) کہتا ہوں: اس کی سند میں ''عمارہ بن زاذان'' ہے اس کے متعلق امام احمد نے فرمایا: منکر حدیثیں روایت کرتا ہے۔ (۲) ابوحاتم الرازی نے فرمایا: لا يحتج به، اس سے حجت نہیں پکڑی جاتی۔ (۳) دارقطنی نے فرمایا: ضعیف ہے۔ (۴) بخاری نے فرمایا: اکثر اوقات یہ اپنی حدیث میں مضطرب ہوتا ہے۔ (۵) الساجی نے فرمایا: اس میں ضعف ہے، یہ کچھ نہیں اور نہ ہی حدیث میں قوی ہے۔

دیکھئے۔ تہذیب التہذیب (ج۷ ص۳۶۵) ابن الجوزی کی الضعفاء (ج۲ ص۲۰۳) عقیلی کی الضعفاء الکبیر (ج۳ ص۳۱۵) اور ابن عبدالهادی کی بحرالدم (ص۳۱۰)

ابن الجوزی نے کہا کہ: احمد بن حنبل نے فرمایا یہ حدیث منکر اور جھوٹ ہے [امام احمد سے یہ قول باسند صحیح ثابت نہیں ہے/ ادارہ الحدیث] ، عمارہ منکر احادیث روایت کرتا ہے۔ اور ابوحاتم الرازی نے کہا کہ عمارہ سے حجت نہیں لی جاتی اور اس روایت کو الجراح بن منہال نے اپنی سند سے عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے

فرمایا: اے ابن عوف ! بے شک تم مالدار لوگوں میں سے ہو، تم جنت میں داخل نہیں ہو گے مگر سرین کے بل سرکتے ہوئے، تم اپنے رب کو قرض دو وہ تمہارے دونوں قدموں کو آزاد کر دے گا۔

امام نسائی نے کہا: یہ حدیث گھڑی ہوئی ہے اور ''الجراح'' (راوی) متروک الحدیث ہے، یحییٰ بن معین نے فرمایا: ''جراح'' کی حدیث کچھ نہیں (یعنی کوئی حیثیت نہیں رکھتی) ابن المدینی نے فرمایا: اس کی حدیث لکھی نہ جائے، ابن حبان نے فرمایا: یہ جھوٹ بولتا تھا دارقطنی نے فرمایا: ابن اسحٰق نے اس سے روایت کی اور (تدلیس کرتے ہوئے) اس کے نام کو الٹ پلٹ دیا اور کہا: منہال بن الجراح (جب کہ فی الحقیقت اس کا نام الجراح بن منہال) اور یہ متروک ہے۔

ابن حجر نے القول المسدد (ص ۲۸) میں فرمایا کہ: جو کچھ میں سمجھتا ہوں، کلام میں وسعت کی گنجائش نہیں پس ہمارے لئے امام احمد کی یہ گواہی کافی ہے کہ یہ روایت جھوٹی ہے، اس کا اولین محمل یہ ہے کہ ہم کہیں کہ یہ ان احادیث میں سے ہے جن کے متعلق امام احمد نے فرمایا کہ یہ روایت لائق بیان نہیں اور جھوٹی ہے۔

حافظ ابن کثیر نے البدایہ والنہایہ (ج ۷ ص ۱۶۴) میں فرمایا: عمارہ بن زاذان الصید لانی نے اس (حدیث کو بیان) کرنے میں تفرد کیا ہے اور وہ ضعیف ہے۔ (مؤلف کا بیان ختم ہوا)

قصہ نمبر ۴: امام احمد بن حنبل اور امام یحییٰ بن معین رحمہما اللہ کا الرصافۃ کی مسجد والا قصہ

''احمد بن حنبل و یحییٰ بن معین رحمہما اللہ نے الرصافۃ کی مسجد میں نماز ادا کی تو ایک قصہ گو واعظ کھڑا ہوا اور کہا ہم سے حدیث بیان کی احمد بن حنبل اور یحییٰ بن معین نے ان دونوں نے کہا کہ ہم سے حدیث بیان کی عبدالرزاق نے (معمر سے اُس نے) قتادہ سے اور قتادہ نے انس رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً بیان کیا کہ (نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے) فرمایا:

'' من قال لا إله إلا الله، خلق الله (من) كل كلمة منها طيراً منقاره من ذهبٍ وريشه من مرجان..''

کہ جس شخص نے لا الہ الا اللہ کہا: اللہ اس کے ہر کلمہ سے ایک پرندہ پیدا فرماتا ہے اس کی چونچ سونے کی ہوتی ہے اور اس کا پر مرجان کا اور... لگا رہا ایک طویل قصہ بیان کرنے میں .... پس احمد بن حنبل یحییٰ کی طرف اور یحییٰ امام احمد کی طرف (حیرت سے) دیکھنے لگے۔ امام یحییٰ بن معین نے فرمایا: کیا آپ نے اس سے یہ روایت بیان کی ہے؟ تو امام احمد نے فرمایا: نہیں اللہ کی قسم میں نے تو یہ روایت بیان نہیں کی۔ پس جب وہ قصہ گو فارغ ہوا اور ایک جگہ لی (یعنی وہ کسی جگہ جا بیٹھا) تو امام یحییٰ نے فرمایا۔۔ (اور بتاؤ) تم سے یہ قصہ کس نے بیان کیا؟ میں ابن معین ہوں اور یہ احمد بن حنبل اگر (تمہارے لئے) جھوٹ بولنا ضروری ہی تھا تو ہمارے علاوہ کسی اور پر ہی بول دیتے (ہم پر یہ ظلم کیوں)؟ تو اس قصہ گو نے کہا: آپ یحییٰ بن معین ہیں؟ فرمایا: ہاں، تو اس نے کہا: میں سنتا چلا آیا تھا کہ آپ احمق ہیں پس اس گھڑی میں نے جان لیا۔ (آپ تو ایسے کہہ رہے ہیں) گویا دنیا میں کوئی اور یحییٰ بن معین اور احمد بن حنبل ہے ہی نہیں۔ جب کہ میں نے ان کے علاوہ سترہ (۱۷) احمد بن حنبل نامی راویوں سے روایات لکھی ہیں، پس (یہ سن کر) احمد بن حنبل نے اپنی آستین اپنے چہرہ پر ڈال دی اور فرمایا: چھوڑ دو، اسے کھڑے ہونے دو۔ تو وہ اس طرح کھڑا ہوا گویا کہ ان کا

مذاق اڑا رہا ہو۔ یہ موضوع، من گھڑت اور خودساختہ قصہ ہے۔

اس قصہ کو ابن الجوزی نے الموضوعات (ج ا ص ۴۶) اور القصاص والمذکرین (ص ۳۰۴) میں ابن حبان نے الضعفاء (ج ا ص ۵۷) اور حاکم نے المدخل الی کتاب الاکلیل (ص ۵۷) میں ''عن إبراهيم بن عبدالواحد الطبري قال: سمعت جعفر بن محمد الطيالسي يقول .... '' کی سند سے اس کو روایت کیا ہے۔

میں کہتا ہوں: اس کی یہ سند وضع کردہ ہے۔ اس میں ابراہیم بن عبدالواحد الطبری حدیث کے وضع کرنے سے متہم ہے۔ دیکھئے الحلبی کی الکشف الحثیث (ص ۳۹) ذہبی نے میزان میں اس کے ترجمہ (حالات) میں فرمایا: میں نہیں جانتا یہ ہے کون؟ ایک منکر حکایت لایا ہے۔ میرا خیال ہے کہ اس نے یہ روایت گھڑی ہے۔ یہ احمد بن حنبل اور ابن معین کا الرصافۃ کی مسجد میں نماز پڑھنے والی کہانی ہے۔ اس قصے کو سیوطی نے الآلی المصنوعۃ فی الاحادیث الموضوعۃ میں (ج ۲ ص ۳۴۶) میں اور قرطبی نے اپنی تفسیر (ج ا ص ۷۹) میں ذکر کیا ہے۔ (مؤلف کا بیان ختم ہوا)

قصہ نمبر ۵: سیدنا سلمان الفارسی رضی اللہ عنہ کا قصہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جنگ احزاب کے سال خندق کے لئے نشان لگائے یہاں تک کہ آپ ''المذاح'' مقام تک پہنچے پس آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر دس افراد کے لئے چالیس گز مقرر کیے۔

مہاجرین وانصار سیدنا سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کے متعلق بحث کرنے لگے، سیدنا سلمان فارسی رضی اللہ عنہ طاقت ور آدمی تھے۔ مہاجرین نے کہا کہ سلمان (رضی اللہ عنہ) ہم میں سے ہیں اور انصار نے کہا کہ وہ ہم میں سے ہیں، پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''سلمان ہم میں سے ہیں، ہمارے اہل بیت ہیں'' [سخت ضعیف روایت ہے]

اسے حاکم نے المستدرک (ج ۳ ص ۵۹۸) الطبرانی نے المعجم الکبیر (ج ۶ ص ۲۱۲) ابن سعد نے الطبقات الکبریٰ (ج ۴ ص ۸۲) ابونعیم نے اخبار اصبہان (ج ا ص ۵۴) بیہقی نے دلائل النبوۃ (ج ۳ ص ۴۱۸) ابوالشیخ نے طبقات المحدثین (ج ا ص ۲۰۵) اور الطبری نے (تفسیر ج ۱۱ ص ۱۳۳، تاریخ ج ۲ ص ۹۱، ۹۲) میں ''كثير بن عبدالله بن عمرو بن عوف المزني عن أبيه عن جده '' کی سند سے روایت کیا اور اس قصہ کو ذکر کیا۔

یہ سند کمزور ہے، اس میں ''کثیر بن عبداللہ المزنی'' ہے۔

امام احمد نے اسے منکر الحدیث کہا۔ امام ابن معین نے فرمایا: یہ کچھ بھی نہیں۔ ابوحاتم نے فرمایا: یہ متین (مضبوط) نہیں، امام نسائی نے فرمایا: یہ ثقہ نہیں، امام شافعی وامام ابوداؤد نے فرمایا کہ یہ جھوٹ کا ایک رکن ہے۔ دارقطنی اور ان کے علاوہ دیگر (محدثین) نے فرمایا: یہ متروک راوی ہے، ابن حبان نے فرمایا کہ یہ بہت زیادہ منکر الحدیث ہے۔ ذہبی نے فرمایا: کمزور راوی ہے۔ [دیکھئے تہذیب التہذیب (ج ۸ ص ۳۷۷) فتح الباری (ج ۵ ص ۱۹) تاریخ امام عثمان بن سعید الدارمی (ص ۱۹۵) کتاب المجروحین لابن حبان (ج ۲ ص ۲۲۱) ابن الجوزی کی الضعفاء (ج ۳ ص ۲۳) ذہبی کی میزان الاعتدال (ج ۴ ص ۳۲۶) انہی کی الکاشف (ج ۳ ص ۵) انہی کی المجرد (ص ۲۶۱) ابن عبدالہادی کی بحرالدم

(ص ۳۵۶) جوزجانی کی ''احوال الرجال'' (ص ۱۳۸) دارقطنی کی ''المؤتلف والمختلف'' (ج ۱ص ۳۲۷) امام ابن معین کی ''التاریخ'' (ج ۳ص ۱۴۴) ابن قطلوبغا کی ''من روی عن أبیه عن جده '' (یعنی: جس نے اپنے والد سے اور والد نے دادا سے روایت کی) (ص ۵۱۳) ابن الجنید کی ''سوالات'' (ص ۴۶۹)]

المناوی نے فیض القدیر (ج ۴ص ۱۰۶) میں اسی راوی کی وجہ سے اس روایت کو معلول قرار دیا اور کہا: حافظ ذہبی نے قطعی طور پر اس سند کا ضعف بیان کیا اور الہیثمی نے فرمایا: اس روایت کی سند میں طبرانی کے ہاں ''کثیر بن عبداللہ المزنی'' ہے جسے جمہور نے ضعیف قرار دیا ہے۔ انتہیٰ

علامہ البانی نے الجامع (۴۱۸) میں فرمایا: ''ضعیف جدا ''، ''سخت ضعیف روایت ہے۔ الذہبی نے اس کثیر المزنی کی سند سے اس روایت کو السیر (ج ۱ص ۵۴۰) میں اور ابن الجوزی نے ''صفة الصفوة'' (ج ۱ص ۵۳۵) میں ذکر کیا ہے۔

اس حدیث کو العجلونی نے بھی ''ضعیف'' قرار دیا جیسا کہ ''کشف الخفاء'' (ج ۱ص ۵۵۸) میں ہے۔ اس حدیث کا ایک ''شاہد'' (تائیدی روایت) ہے جو ابوالشیخ نے ''طبقات المحدثین'' (ج ۱ص ۲۰۴) میں اور ابویعلیٰ نے اپنی مسند (ج ۱۲ص ۱۴۲) میں طوالت سے ''النضر بن حمید عن سعد الأسکاف عن أبي جعفر محمد بن علي عن أبیه عن جده أن النبي ﷺ قال: سلمان منا أهل البیت '' کی سند سے بیان کیا ہے۔

اس کی سند بھی انتہائی کمزور ہے اس کی دو علتیں ہیں:

۱: النضر بن حمید الکندی ہے اس سے متعلق ابوحاتم نے فرمایا: یہ متروک الحدیث ہے اور بخاری نے فرمایا: منکر الحدیث ہے۔

۲: سعد بن طریف الاسکاف متروک راوی ہے، ابن حبان نے اسے وضع حدیث کے ساتھ متہم کیا۔ یہ رافضی تھا جوزجانی نے فرمایا: یہ مذموم راوی تھا۔

حوالے: دیکھئے ذہبی کی میزان (ج ۵ص ۳۸۱) ابن الجوزی کی الضعفاء (ج ۳ص ۱۷۵) ابن حجر کی التقریب (ص ۲۳۱) جوزجانی کی احوال الرجال (ص ۵۸) اور ابن الجنید کی ''سوالات'' (ص ۳۳۲)

ہیثمی نے مجمع الزوائد (ج ۹ص ۱۱۷) میں اسے ذکر کیا پھر فرمایا: اسے ابویعلیٰ نے روایت کیا اس کی سند میں النضر بن حمید الکندی ہے اور وہ متروک ہے۔ انتہیٰ

ابن حجر نے المطالب العالیہ (ج ۴ص ۸۳، ۸۴) میں اسے ذکر کیا اور کہا کہ اسے ابویعلیٰ نے روایت کیا ہے۔

اس کا ایک موقوف شاہد بھی سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ اسے ابن ابی شیبہ نے المصنف (ج ۴ص ۱۴۸) ابن سعد نے ''الطبقات الکبریٰ'' (ج ۴ص ۸۵) (یعقوب بن سفیان) الفارسی نے المعرفة والتاریخ (ج ۴ص ۵۴۰) اور ابونعیم نے اخبار اصبہان (ج ۱ص ۵۴) میں ابوالبختری کی سند سے روایت کیا کہ انھوں نے کہا کہ:

سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے لوگوں نے کہا: ہمیں سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کے متعلق خبر دیں تو آپ نے فرمایا: (سلمان رضی اللہ عنہ) نے اول وآخر کا علم پالیا، وہ ایسا سمندر ہیں کہ جس کی گہرائی لامحدود ہے اور وہ ہم اہل بیت میں سے ہیں۔

اس کی بھی سند ضعیف ہے اس لئے کہ ابوالبختری سعید بن فیروز الطائی نے (سیدنا) علی رضی اللہ عنہ کو نہیں پایا جیسا کہ ابوحاتم

وغیرہ نے بتایا ہے لہٰذا یہ سند منقطع ہے۔
حوالے: دیکھئے ابن ابی حاتم کی المراسیل (ص ۶۸) اور العلائی کی جامع التحصیل (ص ۱۸۳)
ابن حجر نے تہذیب التہذیب (ج ۴ص ۶۵) میں ابوالبختری کے احوال میں بیان فرمایا: کہ ابن سعد نے کہا: یہ ابن الاشعث کے ساتھ ۸۳ھ میں قتل ہوئے، یہ کثیر الحدیث تھے اپنی حدیث میں ارسال کرتے اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے روایت کرتے جب کہ ان میں سے اکثر سے ان کا سماع ثابت نہیں، پس ان کی جو احادیث سماع پر محمول ہیں تو وہ حسن ہیں، اور جس میں سماع کا ثبوت نہیں تو وہ ضعیف ہیں۔ انتھیٰ
(چونکہ انہوں نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو نہیں پایا تو سماع ثابت نہیں اس لئے یہ واقعہ بھی ضعیف ہے/ مترجم)
طبرانی نے المعجم الکبیر (ج ۴ص ۲۱۳) میں اسے '' **إبراهيم بن يوسف الصيرفي: ثنا علي بن عابس عن الأعمش عن عمرو بن مرة و إسماعيل بن أبي خالد عن قيس بن أبي حازم قال: سئل علي بن أبي طالب** '' کی سند سے روایت کیا ہے۔ اس کی سند بھی سخت ضعیف ہے اور اس کی تین علتیں ہیں:
پہلی علت (یعنی وجہِ ضعف): علی بن عابس الاسدی ہے اس کے متعلق ابن معین نے فرمایا: **ليس بشيء** یہ کچھ بھی نہیں، النسائی ....، ابن عدی اور ابن حجر نے فرمایا: یہ ضعیف ہے۔ جوزجانی نے فرمایا: یہ ضعیف الحدیث اور کمزور راوی ہے۔ ابن حبان نے فرمایا: اس کی غلطیاں حد سے بڑھی ہوئی ہیں اس لئے یہ روایت میں ''ترک'' کا مستحق ہے یعنی اس کو ترک کر دیا جائے اس سے روایت نہ لی جائے اور الساجی نے فرمایا کہ اس کے پاس منکر روایات ہیں۔
دوسری علت: ابراہیم بن یوسف الصیرفی ہیں جو کہ صدوق ہیں لیکن اس میں کچھ ضعف ہے۔
[تنبیہ: ابراہیم بن یوسف الصیرفی صدوق حسن الحدیث ہے۔ جمہور محدثین نے اس کی توثیق کی ہے۔ اس پر ابوعبدالرحمٰن الفوزی کی جرح مردود اور باطل ہے/ حافظ زبیر علی زئی]
تیسری علت: الاعمش سلیمان بن مہران الاسدی ہیں اور یہ مدلس ہیں اس روایت کو انہوں نے عن سے بیان کیا اور سماع کی تصریح نہیں کی۔
[حافظ ذہبی نے میزان الاعتدال (۲/ ۲۱۴) میں اعمش کے ترجمہ میں کہا کہ ''وہ مدلس ہیں اور کبھی کبھی ضعیف سے بھی تدلیس کرتے تھے، پس جب حدثنا کہیں تو اس پر کوئی کلام نہیں ہے۔ جب عن کہیں تو تدلیس کا احتمال ہے۔'']
حوالے: دیکھئے ابن حجر کی تہذیب (ج ۷ص ۳۰۱) اور انہی کی تقریب (ص ۵۹، ۲۵۴) اور تعریف اہل التقدیس (ص ۶۷) سیوطی کی اسماء المدلسین (ص ۹۸) اور ابن العجمی کی التبیین لاسماء المدلسین (ص ۳۱) اور المقدسی کی قصیدۃ فی المدلسین (ص ۴۸) الانصاری کی الاتحاف (ص ۲۹)
اس روایت کو طبرانی نے المعجم الکبیر (ج ۲ص ۲۱۳) میں بھی روایت کیا ہے، اسی طرح ابونعیم نے حلیۃ الاولیاء (ج ۱ص ۱۸۷) میں '' **حبان بن علي: ثنا عبدالملك بن جريج عن أبي حرب بن أبي الأسود عن أبيه و عن رجل عن زاذن الكندي** '' کی سند سے روایت کیا ہے کہ ایک دن ہم سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے ہاں تھے...(پھر اسے ذکر کیا)

اس کی سند بھی سخت ضعیف ہے اس کی دو علتیں ہیں:
پہلی علت: حبان بن علی العنزی ہیں۔
اس کے متعلق امام ابن معین نے فرمایا: اس کی حدیث کچھ بھی نہیں۔ جوزجانی نے فرمایا: حدیث میں کمزور راوی تھا۔ نسائی و دارقطنی نے فرمایا: ضعیف تھا امام بخاری نے فرمایا: کہ یہ محدثین کے نزدیک قوی نہ تھا، اور ابن حبان نے کہا: یہ کھلی غلطیاں کرنے والا تھا، اس کے معاملے میں توقف ضروری ہے۔
دوسری علت: عبدالملک بن جریج مدلس ہیں انہوں نے (بشرطِ صحت) اس روایت کو عن سے بیان کیا اور سماع کی تصریح نہیں کی۔
حوالے: دیکھئے ابن حبان کی کتاب المجروحین (ج۱ص۲۶۱) ابن حجر کی تقریب (ج۱ص۱۶۹،۳۶۳) وتعریف اہل التقدیس (ص۹۵) جوزجانی کی احوال الرجال (ص۷۰) ابن الجوزی کی الضعفاء (ج۱ص۱۸۷) ابن الجنید کے سؤالات (ص۲۸۳،۴۶۲) دارقطنی کی الضعفاء (ص۱۸۷) نسائی کی الضعفاء (ص۸۹) امام بخاری کی التاریخ الکبیر (ج۳ص۸۸) اور انہی کی الضعفاء الصغیر (ص۷۶) ابن العجمی کی التبیین لاسماء المدلسین (ص۱۰۱) المقدسی کا قصیدة فی المدلسین (ص۴۹) الانصاری کی الاتحاف (ص۳۷) خطیب بغدادی نے اسے ''الموضح'' (ج۱ص۲۶۲) میں بطریق'' **أبو علي الحسن بن الحسين بن العباس النعالي: أخبر نا سعد بن محمد بن إسحاق الصيرفي: حدثنا الحسين بن عمر الثقفي: حدثنا مسروق بن المرزبان: حدثنا شريك عن عثمان بن أبي زرعة عن سالم بن أبى الجعد قال: سئل علي بن أبي طالب** '' روایت کیا۔
اس کی سند بھی انتہائی کمزور ہے اس کی چار علتیں ہیں:
پہلی علت: الحسن بن الحسین بن العباس النعالی...
دوسری علت: شریک بن عبداللہ القاضی ہیں۔ یہ سیئ الحفظ تھے یعنی سُوءِ حافظہ کا شکار تھے۔
تیسری علت: سالم بن ابی الجعد نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو نہیں پایا تھا۔
چوتھی علت: مسروق بن المرزبان ہے: اس سے متعلق ابوحاتم نے فرمایا: یہ قوی نہیں ہے۔
حوالے: دیکھئے ذہبی کی میزان الاعتدال (ج۲ص۸) انہی کی الکاشف (ج۳ص۱۲۱) ابن ابی حاتم کی الجرح والتعدیل (ج۸ص۳۹۷) خطیب کی تاریخ بغداد (ج۷ص۳۰۰) ابن الجوزی کی الضعفاء (ج۳ص۱۱۶) ابن ابی حاتم کی المراسیل (ص۷۰) اور العلائی کی جامع التحصیل (ص۱۷۹)

قصہ نمبر۶: خالد بن عبداللہ القسری کا الجعد بن درہم کے ساتھ قصہ

''میں خالد بن عبداللہ القسری کے پاس عیدالاضحیٰ کے دن واسط (مقام) پر حاضر ہوا تو خالد القسری نے کہا: لوٹ جاؤ اور قربانی کرو اللہ تعالیٰ تم سے (تمہارا یہ عمل) قبول فرمائے، یقیناً میں تو جعد بن درہم کی قربانی کرنے والا ہوں

(یعنی اس کو ذبح کروں گا اس لئے کہ) اس کا یہ زعم ہے کہ اللہ تعالیٰ نے سیدنا ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو (اپنا) خلیل نہیں بنایا تھا اور نہ ہی سیدنا موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام سے کلام فرمایا اللہ تعالیٰ اس کی اس بات سے جو جعد بن درہم کہتا ہے بہت زیادہ بلند ہے (یعنی یہ اس کا اللہ پر جھوٹ ہے) پھر وہ اترے اور انہوں نے جعد بن درہم کو ذبح کیا۔''

[سخت ضعیف قصہ ہے]

تخریج: اس روایت کو امام بخاری نے التاریخ (ج۲ص۶۴) خلق افعال العباد (ص۱۲) بیہقی نے السنن الکبریٰ (ج۱۰ص۲۰۵) اور ''الاسماء والصفات'' (ص۳۵۰) دارمی نے الرد علی الجہمیۃ (ص۱۷) اور الرد علی المریسی (ص۱۱۸) اللالکائی نے شرح اصول اعتقاد اہل السنۃ والجماعۃ (ج۲ص۳۱۹) الآجری نے الشریعۃ (ص۹۷، ۳۲۸) المزی نے تہذیب الکمال (ق۱/۳۱۹) میں اور (محدث) النجاد نے ''الرد علی من یقول القرآن مخلوق'' (ص۵۴) میں ''القاسم بن محمد: ثنا عبدالرحمٰن بن محمد بن حبیب عن أبیہ عن جدہ قال'' کی سند سے روایت کیا اور یہ قصہ ذکر کیا۔

[تنبیہ: ''شرح اصول اعتقاد اہل السنۃ والجماعۃ'' کے نام سے، لالکائی سے منسوب کتاب باسند صحیح ثابت نہیں ہے۔ اس کتاب کا بنیادی راوی احمد بن علی بن الحسین بن زکریا الطریثیثی سخت ضعیف و مجروح راوی ہے۔ محدث ابو طاہر السّلفی نے اس کی توثیق کی ہے لیکن شجاع الذہلی، ابوالقاسم بن السمر قندی وغیرہما جمہور نے اس پر جرح کی ہے۔ محمد بن ناصر اسے کذاب سمجھتے تھے۔ دیکھئے (لسان المیزان ج۱ص۲۲۷، ۲۲۸) لہٰذا اس غیر ثابت کتاب سے اصول میں استدلال کرنا صحیح نہیں ہے/ زبیر علی زئی] اس کی سند سخت ضعیف ہے اس کی دو علتیں ہیں:

پہلی علت: اس کی سند میں عبدالرحمٰن بن محمد ہیں جو صرف ''مقبول (یعنی مجہول الحال رمستور)'' راوی ہیں جیسا کہ ابن حجر کی التقریب (ص۳۴۹) میں ہے اور مقبول کی روایت متابعت میں تو قابل قبول ہوتی ہے لیکن تفرد کے وقت (یعنی مقبول راوی جب اپنی روایت میں منفرد ہو تو) جیسا کہ اس روایت میں ہے تو یہ (راوی) لین الحدیث (ضعیف راوی) ہے جیسا کہ (تقریب کے) مقدمہ (ج۱ص۷۴) میں ابن حجر نے لکھا ہے۔ ذہبی نے فرمایا: یہ پہچانا نہیں جاتا۔ دیکھئے میزان الاعتدال (ج۳ص۲۹۹)

دوسری علت: محمد بن حبیب ہے، یہ مجہول راوی ہے جیسا کہ ابن حجر کی تقریب التہذیب (ص۴۷۳) اور ذہبی کی میزان الاعتدال (ج۴ص۴۲۸) میں لکھا ہوا ہے۔

اس روایت کو ابن ابی حاتم نے الرد علی الجہمیۃ میں روایت کیا، جیسا کہ حافظ ذہبی کی کتاب العلو (المختصر ص۱۳۴) میں بطریق'' **عیسٰی بن أبي عمران الرملي: حدثنا أیوب بن سوید عن السري بن یحیٰی قال: خطبنا خالد القسري:**'' کی سند سے روایت کیا اور اس قصہ کا ذکر کیا۔

اس کی سند بھی سخت ضعیف ہے اور اس کی بھی دو علتیں ہیں:

پہلی علت: عیسیٰ بن ابی عمران الرملی ہے۔ ابن ابی حاتم نے رملہ (مقام) پر اس سے (روایات) لکھیں، جب ان کے والد ابو حاتم نے اس کی حدیث کو دیکھا تو فرمایا: ''اس کی حدیث اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ یہ سچا نہیں، تو اس سے

روایت کرنا چھوڑ دیا۔ دیکھئے الجرح والتعدیل (ج۲ص۲۸۴) اور ذہبی کی میزان الاعتدال (ج۴ص۳۳۹)

دوسری علت: ایوب بن سوید ہے اس کے متعلق عبداللہ بن المبارک نے فرمایا: اسے اپنے حال پر چھوڑ دو۔ یحییٰ بن معین نے فرمایا: یہ کچھ نہیں ہے یہ حدیثیں چوری کرتا تھا۔ امام بخاری نے فرمایا: محدثین اس کے متعلق کلام کرتے تھے۔ جوزجانی نے فرمایا: واہی الحدیث (حدیث میں کمزور ہے) امام احمد، الساجی اور ابوداود نے فرمایا: ضعیف ہے، نسائی نے فرمایا: یہ ثقہ نہیں ہے۔ ابوحاتم نے فرمایا لین الحدیث۔

حوالے: دیکھئے تہذیب التہذیب (ج۱ص۳۵۴) میزان الاعتدال (ج۱ص۲۸۷) ابن الجوزی کی الضعفاء (ج۱ص۱۳۰) سؤالات ابن الجنید (ص۴۰۷) امام ذہبی کی الکاشف (ج۱ص۹۳) ڈاکٹر نجم عبدالرحمٰن کی ''معجم الجرح والتعدیل لرجال السنن الکبریٰ (ص۲۲) اور جوزجانی کی احوال الرجال (ص۱۵۵) تاریخ ابن معین (ج۴ص۴۵۱) ابن عبدالہادی کی بحرالدم (ص۷۷) ابن عدی کی الکامل (ج۱ص۳۵۱)

قصہ نمبر۷: سیدنا ثعلبہ بن حاطب رضی اللہ عنہ کا قصہ

سیدنا ثعلبہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کی کہ اے اللہ کے رسول! اللہ تعالیٰ سے دعا کیجئے کہ اللہ تعالیٰ مجھے مال عطا فرمائے، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تجھ پر تعجب! اے ثعلبہ تھوڑا مال کہ جس پر تو اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتا رہے بہتر ہے اس بہت زیادہ مال سے کہ جس پر (شکر ادا کرنے کی) تو طاقت نہ رکھتا ہو۔ کیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرح نہیں ہونا چاہتا؟ اللہ تعالیٰ کی قسم! اگر میں اللہ سے اس بات کا سوال کروں کہ اللہ تعالیٰ میرے لئے پہاڑوں کو سونے چاندی کا بنا دے تو یہ بن جائیں۔

ثعلبہ (رضی اللہ عنہ) پھر لوٹ کر آپ کی طرف آئے اور عرض کی کہ اے اللہ کے رسول! میرے لئے دعا کیجئے کہ اللہ تعالیٰ مجھے مال عطا فرمائے، اللہ کی قسم! اگر اللہ تعالیٰ نے مجھے مال عطا فرمایا تو میں ہر حق دار کو اس کا حق ضرور دیا کروں گا، تو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے اللہ! ثعلبہ کو مال عطا فرما، اے اللہ! ثعلبہ کو مال عطا فرما، اے اللہ! ثعلبہ کو مال عطا فرما۔

(راوی نے) کہا کہ ثعلبہ نے کچھ بکریاں لیں، تو وہ اس طرح پر نشو نما پائیں جس طرح کہ کیڑے مکوڑے نشو نما پاتے ہیں، (یہ بکریاں اس قدر بڑھ گئیں) کہ مدینہ کی جگہ ان کے لئے تنگ ہوگئی اور وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز ادا کرتے۔

پھر وہ انہیں لے کر مدینہ سے کچھ دور چلے گئے، وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضر ہوتے پھر ان بکریوں کی طرف چلے جاتے، یہاں تک کہ مدینہ منورہ کی چراگاہیں ان پر تنگ ہوئیں تو وہ ان بکریوں کو لے کر کچھ اور دور چلے گئے پھر صرف جمعہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضر ہوتے اور پھر ان بکریوں کی طرف نکل جاتے، پھر وہ بکریاں کچھ اور زیادہ ہوئیں تو وہ اور بھی دور چلے گئے انہوں نے باجماعت نماز اور جمعہ ترک کر دیا (کبھی کبھی قافلے گزرتے) تو وہ سوار لوگوں سے ملتے اور پوچھتے کہ تمہارے پاس دین کی باتوں میں سے (کوئی نئی بات) ہے اور لوگوں کا کیا حال ہے؟

اور اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر یہ آیت نازل فرمائی: ﴿خُذْ مِنْ اَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ وَتُزَكِّيْهِمْ بِهَا﴾

آپ ان کے مالوں میں سے صدقہ لیجئے، جس کے ذریعہ سے آپ انہیں پاک صاف کریں اور ان کا تزکیہ کیجئے [التوبۃ:۱۰۳]
تو رسول اللہ ﷺ نے صدقات جمع کرنے کے لئے انصاریوں میں سے۔۔۔۔اور بنی سلیم کے ایک شخص (رضی اللہ عنہم) کو مقرر فرمایا۔ اور انہیں آپ ﷺ نے صدقات (یعنی زکوٰۃ) کی سنت اور احکامات لکھوا دیئے اور انہیں حکم دیا کہ وہ لوگوں سے صدقات (زکوٰۃ) وصول کریں اور ثعلبہ (رضی اللہ عنہ) کے پاس بھی جائیں اور ان سے ان کے مال کی زکوٰۃ وصول کریں۔ انہوں نے ایسا ہی کیا یہاں تک کہ ثعلبہ (رضی اللہ عنہ) کے پاس پہنچے تو انہیں رسول اللہ ﷺ کی لکھی ہوئی تحریر دکھائی، ثعلبہ نے فرمایا: تم لوگوں سے زکوٰۃ وصول کرلو جب ان سے فارغ ہو جاؤ تو میرے پاس آ جانا۔ انہوں نے ایسا ہی کیا (جب وہ آئے) تو ثعلبہ (رضی اللہ عنہ) نے کہا۔ اللہ کی قسم! یہ (زکوٰۃ کا وصول کرنا) تو جزیہ ہی کا بھائی ہے (یعنی جزیہ کی قسم ہے) تو وہ زکوٰۃ وصول کرنے والے چل پڑے، جب رسول اللہ ﷺ سے آ کر ملے [اور انہیں یہ بات بتلا دی کہ ثعلبہ (رضی اللہ عنہ) تو یہ کہتے ہیں] تو اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ پر (یہ آیت) نازل فرمائی:

﴿وَمِنۡهُمۡ مَّنۡ عٰهَدَ اللّٰهَ لَئِنۡ اٰتٰنَا مِنۡ فَضۡلِهٖ لَنَصَّدَّقَنَّ وَلَنَكُوۡنَنَّ مِنَ الصّٰلِحِيۡنَ﴾

اور ان میں ایسے بھی ہیں جنہوں نے اللہ سے یہ عہد کیا کہ اگر اللہ نے اپنے فضل سے ہمیں عطا کیا تو ہم ضرور صدقات دیں گے۔ (یکذبون) تک۔ یعنی۔ یہ جھوٹ بولتے ہیں۔ [التوبۃ: ۷۵۔۷۷]

تو کہا کہ ثعلبہ (رضی اللہ عنہ) کے ایک قریبی انصاری صحابی سوار ہوئے اور ان تک پہنچے اور ان سے کہا۔

''تیرا ناس ہو! اے ثعلبہ! تُو تو ہلاک ہو گیا، اللہ تعالیٰ نے تیرے متعلق قرآن مجید میں یہ یہ نازل فرمایا ہے۔

پس ثعلبہ (رضی اللہ عنہ) اپنے سر پر خاک ڈالتے ہوئے اور یہ کہتے ہوئے آئے: اے اللہ کے رسول! اے اللہ کے رسول! (ﷺ) (لیکن) اللہ کے رسول ﷺ نے ان سے ان کی زکوٰۃ قبول نہیں کی یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کی روح قبض فرمالی یعنی رسول اللہ ﷺ نے زندگی بھر ان کی زکوٰۃ قبول نہیں کی۔

رسول اللہ ﷺ کی وفات کے بعد ثعلبہ (رضی اللہ عنہ) سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پاس آئے (انہیں زکوٰۃ دی) اور کہا کہ: اے ابوبکر! آپ میری قوم کا میرے متعلق رویہ اور رسول اللہ ﷺ کے ساتھ میرے تعلق کو جانتے ہیں، میری زکوٰۃ قبول کیجئے تو سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ پھر سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے (دور خلافت میں ان کے) پاس آئے تو انہوں نے بھی وصول کرنے سے انکار کر دیا پھر سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے (دورِ خلافت میں ان کے) پاس آئے تو انہوں نے بھی انکار کر دیا پھر سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں ثعلبہ فوت ہو گئے۔ [یہ روایت من گھڑت ہے]

تخریج: اس روایت کو طبرانی نے المعجم الکبیر (ج۸ص۲۶۰/ ''الاحادیث الطوال'' المعجم الکبیر ج۵ص۲۲۵) ابونعیم نے ''معرفۃ الصحابۃ'' (ج۳ص۲۷۲) طبری نے اپنی تفسیر (ج۱۴ص۳۷۰) ابن اثیر نے ''اسد الغابۃ'' (ج۱ص۲۸۴) بیہقی نے ''دلائل النبوۃ'' میں (ج۵ص۲۸۹) الواحدی نے اسباب النزول (ص۲۹۰) ابن عبدالبر نے ''الاستیعاب'' (ج۲ص۳۱۲) میں مختصراً، بغوی نے اپنی تفسیر (ج۲ص۳۱۲) اور ابن حزم نے مختصراً المحلّٰی (ج۱۱ص۲۰۸) میں مختلف سندوں سے'' عن معان بن رفاعة عن أبي عبدالملك علي بن يزيد الألهاني عن القاسم بن

عبدالرحمٰن عن أبي أمامة الباهلي عن ثعلبة بن حاطب '' کی سند سے اس قصہ کے ساتھ بیان کیا ہے۔
میں کہتا ہوں: یہ سند انتہائی کمزور ہے اس کی دو علتیں ہیں:
پہلی علت: معان بن رفاعۃ السلامی ہے جو لین الحدیث (ضعیف) ہے اور بہت زیادہ ارسال کرتا ہے۔
دوسری علت: علی بن یزید الالہانی ہے اس پر شدید جرح ہے۔
امام بخاری نے اس کے متعلق فرمایا کہ یہ منکر الحدیث ہے دارقطنی ، البرقی اور الازدی نے اسے متروک قرار دیا۔ اور ابوحاتم نے فرمایا: یہ ضعیف ہے، اس کی احادیث منکر ہیں۔ نسائی نے فرمایا کہ متروک راوی ہے۔ اور ابوزرعہ نے فرمایا کہ یہ قوی نہیں، ابونعیم نے فرمایا کہ یہ منکر الحدیث ہے۔ حاکم نے فرمایا: **ذاهب الحديث** (حدیث میں گیا گزرا ہے) جوزجانی نے فرمایا کہ میں نے بہت سے ائمہ کرام کو دیکھا کہ وہ اس کی احادیث جو یہ روایت کرتا ان کا انکار کرتے تھے۔
حوالے: دیکھئے تہذیب (ج ۷ ص ۳۴۶) تقریب (ج ۲ ص ۵۳۷) فتح الباری (ج ۱۰ ص ۵۴۰) میزان الاعتدال (ج ۴ ص ۸۱) ابن الجوزی کی الضعفاء (ج ۲ ص ۲۰۰) اور جوزجانی کی احوال الرجال (ص ۱۶۵)
ابن حزم نے المحلیٰ (ج ۱۱ ص ۲۰۸) میں اس حدیث کو سند مذکور کے ساتھ ذکر کرنے کے بعد فرمایا:
''**وهذا باطل بلاشك** '' بلاشبہ یہ باطل قصہ ہے۔
علامہ العراقی نے احیاء العلوم کی تخریج (ج ۳ ص ۲۷۲) میں فرمایا '' طبرانی نے ضعیف سند سے اس کو روایت کیا۔''
حافظ ابن حجر نے تخریج احادیث الکشاف (ص ۷۷) میں اسی سند مذکور کے ساتھ اس حدیث کو ذکر کرنے کے بعد فرمایا: ''**وهذا إسناد ضعيف جداً**'' یہ سخت ضعیف سند ہے۔
علامہ ہیثمی نے مجمع الزوائد (ج ۷ ص ۳۲) میں اس قصہ کو ذکر کیا پھر فرمایا کہ اس حدیث کو طبرانی نے روایت کیا اس کی سند میں علی بن یزید الالہانی ہے اور وہ متروک ہے۔ الخ
اس روایت کو طبری نے اپنی تفسیر میں (ج ۱۴ ص ۳۷۰) اور بیہقی نے '' دلائل النبوۃ '' (ج ۵ ص ۲۸۹) میں '' **محمد بن سعد قال: حدثني أبي قال: حدثني عمي الحسين بن الحسن بن عطية قال: حدثني أبي عن أبيه عطية بن سعد عن ابن عباس** '' کی سند سے روایت کیا کہ ابن عباس رضی اللہ عنہ نے آیت ﴿وَمِنْهُمْ مَّنْ عٰهَدَ اللّٰهَ لَئِنْ اٰتٰنَا مِنْ فَضْلِهٖ﴾ کے متعلق فرمایا کہ انصاریوں میں سے ایک شخص تھے انہیں ثعلبہ (رضی اللہ عنہ) کہا جاتا تھا، ایک مجلس میں حاضر ہوئے اور فرمایا: اگر اللہ تعالیٰ نے مجھے اپنے فضل سے (مال) عطا فرمایا تو میں ہر حقدار کو اس کا حق دوں گا، صدقہ کروں گا اور رشتہ داروں کو بھی دوں گا، اللہ تعالیٰ نے انہیں آزمائش میں مبتلا کیا اور انہیں مال عطا فرمایا، پس انہوں نے اللہ تعالیٰ سے وعدہ خلافی کی، پس اللہ تعالیٰ ان کی اس وعدہ خلافی پر ان سے ناراض ہوا، تو اللہ نے ان کے حال کو بیان کرتے ہوئے قرآن میں یہ فرمایا کہ '' وَمِنْهُمْ مَّنْ عٰهَدَ اللّٰهَ '' الآية اِلٰى قَوْلِهٖ: (يَكْذِبُوْنَ)
مؤلف نے کہا: اس کی سند انتہائی تاریک ہے (اور) ضعف کی کئی وجوہات کے ساتھ مسلسل ہے۔
پہلی علت: محمد بن سعد العوفی ہیں ان کے متعلق خطیب نے فرمایا: حدیث میں کمزور تھا۔

دوسری علت: اس کا والد ہے، امام احمد نے اس کے متعلق فرمایا کہ یہ ''جہمی'' ہے، اور فرمایا کہ یہ ایسے لوگوں میں سے نہیں کہ اس سے روایت لکھنے میں تساہل برتا جائے نہ ہی اس کا یہ مقام ہے، اس بات کو خطیب نے بیان فرمایا۔

تیسری علت: الحسین بن الحسن بن عطیہ العوفی ہے، اسے یحییٰ بن معین وغیرہ نے ضعیف قرار دیا، ابن حبان نے فرمایا: ایسی روایتیں بیان کرتا ہے جن پر اس کی متابعت نہیں کی جاتی، اس کی روایت سے حجت لینا جائز نہیں، ابوحاتم نے اسے ضعیف الحدیث قرار دیا، اور جوزجانی نے فرمایا: واہی الحدیث ہے، نسائی نے ضعیف کہا، ابن سعد نے فرمایا: اس نے بہت سی احادیث سنی ہیں، حدیث میں ضعیف تھا۔

چوتھی علت: الحسن بن عطیہ العوفی ہے، اس کے متعلق ابوحاتم نے فرمایا: ضعیف الحدیث، بخاری نے فرمایا: یہ کچھ نہیں، ابن حبان نے فرمایا: منکر الحدیث ہے، میں نہیں جانتا کہ اس کی احادیث میں مصیبت خود اس کی طرف سے ہے یا اس کے والد کی طرف سے یا ان دونوں ہی کی طرف سے ہے کیونکہ اس کے والد حدیث میں کچھ بھی نہیں، پس یہیں سے اس کا معاملہ مشتبہ ہوتا ہے اس کو ترک کر دینا لازم ہے، ابن حجر نے کہا: یہ ضعیف ہے۔

پانچویں علت: عطیہ بن سعد العوفی ہے، اسے ثوری نے ضعیف قرار دیا، اسی طرح ہشیم، یحییٰ بن معین، احمد، (ابوحاتم) الرازی، النسائی، ابن عدی، ابوزرعہ، الذہبی اور ابن حجر نے ضعیف قرار دیا۔

حوالے: ابن حجر کی فتح الباری (ج ص ۲۱۴ و ج ۱۲ اص ۳۰۵ و ج ۱۳ اص ۱۰۲) تہذیب (ج ۲ ص ۲۵۵، ج ۷ ص ۲۰۰) تقریب (ج ا ص ۱۶۲) ابن الجوزی کی الضعفاء (ج ۲ ص ۱۸۰) ابن حبان کی کتاب المجروحین (ج ا ص ۲۳۴) خطیب کی تاریخ بغداد (ج ۹ ص ۱۲۶) عقیلی کی الضعفاء (ج ۳ ص ۳۵۹) اور ابن عدی کی الکامل (ج ۵ ص ۲۰۰۷)

ثعلبہ بن حاطب رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب یہ قصہ باطل و محض من گھڑت ہے، اہل علم نے بیان کیا کہ ثعلبہ بن حاطب رضی اللہ عنہ جلیل القدر بدری صحابی ہیں، اور یہ بات ثابت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''**لا یدخل النار أحد شهد بدراً أو الحدیبیة**'' بدر و حدیبیہ میں شامل ہونے والا کوئی شخص جہنم میں داخل نہیں ہوگا [صحیح مسلم، عن جابر رضی اللہ عنہ: ح ۲۴۹۵ بلفظ آخر]

[تنبیہ: صحیح مسلم میں فوزی کے بیان کردہ الفاظ موجود نہیں ہیں بلکہ صحیح مسلم میں یہ لکھا ہوا ہے کہ: ''**لا یدخلها فإنه شهد بدراً و الحدیبیة**'' وہ جہنم میں داخل نہیں ہوگا کیونکہ بے شک وہ بدر اور حدیبیہ میں شامل تھا۔]

اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے رب عزوجل کا کلام بیان کرتے ہوئے فرمایا: ''**إعملوا ماشئتم فقد غفرت لكم**'' (اے اہل بدر) تم جو چاہو عمل کرو یقیناً میں تمہاری بخشش کر چکا ہوں۔ (البخاری: ۳۰۰۷ و مسلم: ۲۴۹۴)

اب جو اس مقام و مرتبہ پر فائز ہو اللہ سبحانہ و تعالیٰ کس طرح اس کے دل میں نفاق باقی چھوڑ سکتا ہے؟

(باقی آئندہ ان شاء اللہ)

توضیح الأحکام

حالتِ خطبہ میں دو رکعت نماز

سوال: ''درج ذیل الفاظ سے مشہور حدیث کے بارے میں تحقیق درکار ہے:

إذا صعد الخطیب المنبر فلا یتحدثن أحدکم ومن یتحدث فقد لغا ومن لغا فلا جمعة له، أنصتوا لعلکم ترحمون ۔اس حدیث کی تحقیق کے تحت مسئلہ کی محقق ومدلل وضاحت بھی فرمادیں۔ **جزاکم اللہ خیراً.**''

[والسلام، ذکاء الرحمٰن ذکی (درجہ سابعہ) دار العلوم تقویۃ الاسلام، اوڈانوالہ، ضلع فیصل آباد]

الجواب: یہ روایت مجھے حدیث کی کسی کتاب میں سند کے ساتھ نہیں ملی۔ اسے شیخ عبدالمتعال (بن محمد) الجبری نے اپنی کتاب ''**المشتہر من الحدیث الموضوع والضعیف والبدیل الصحیح**'' میں ذکر کیا ہے۔

(۱۶۸، وموسوعۃ الأحادیث والآثار الضعیفۃ والموضوعۃ ج ۱ ص ۵۰۳ ح ۱۶۲۵)

شیخ البانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ: ''**باطل، قد اشتھر بھذا اللفظ علی الألسنة وعلق علی المنابر ولا أصل له**'' یہ روایت باطل ہے۔ یہ زبانوں پر مشہور ہے اور منبروں پر اسے لکھ کر لٹکایا جاتا ہے۔ اس کی کوئی اصل نہیں ہے (سلسلۃ الأحادیث الضعیفۃ والموضوعۃ ۱/۲۲۱ ح ۸۷) اس بے اصل اور موضوع روایت کے دو شاہد (تائید والی روایتیں) ہیں۔

① عن ابی ہریرۃ رضی اللہ عنہ (السنن الکبریٰ للبیہقی ۳/۱۹۳)

یہ سند تین وجہ سے ضعیف ہے:

اول: الحسن بن علی (یا علی بن الحسن) العسکری کی توثیق نامعلوم ہے۔

دوم: محمد بن عبدالرحمٰن بن (سہیل یا سہم) کی توثیق نامعلوم ہے۔

سوم: یحییٰ بن ابی کثیر مدلس ہیں (دیکھئے تقریب التہذیب: ۷۶۳۲ والنکت علی ابن الصلاح ۲/۶۴۳ واتحاف المہرۃ ۳/۳۲۵ ح ۳۱۲۲)

امام دارقطنی فرماتے ہیں کہ: ''**ویحیی بن أبي کثیر معروف بالتدلیس**'' (العلل الواردۃ ۱۱/۱۲۴ سوال: ۲۱۶۳)

② عن ابن عمر رضی اللہ عنہ، رواہ الطبرانی فی الکبیر بحوالہ مجمع الزوائد (۲/۱۸۴)

یہ روایت المعجم الکبیر للطبرانی میں نہیں ملی اور نہ اس کی پوری سند کسی کتاب سے دستیاب ہو سکی ہے۔ ایوب بن نہیک جمہور محدثین کے نزدیک ضعیف ومجروح راوی ہے۔ حافظ ابن حجر فرماتے ہیں: ''**والجواب عن حدیث ابن عمر بأنه ضعیف فیه أیوب بن نهیك وهو منکر الحدیث قاله أبو زرعة وأبو حاتم والأحادیث الصحیحة لا تعارض بمثله**'' حدیثِ ابن عمر کا جواب یہ ہے کہ یہ (بلحاظِ سند) ضعیف ہے۔ اس (کی سند) میں ایوب بن

نہیک (راوی) منکر الحدیث (یعنی سخت ضعیف) ہے جیسا کہ ابو زرعہ اور ابو حاتم نے فرمایا ہے، اور صحیح احادیث کو ایسی (مردود) روایت کی بنا پر رد نہیں کیا جا سکتا۔ (فتح الباری ۲/۴۰۹ تحت ح ۹۳۰)

ایوب سے اوپر اور نیچے سند نا معلوم ہے۔ ایسی بے سند روایتوں پر اعتماد کرنا جائز نہیں ہے۔

خلاصۃ التحقیق: یہ روایت باطل اور مردود ہے۔

صحیح بخاری (۱۱۶۶) اور صحیح مسلم (۸۷۵) میں حدیث ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جب تم میں سے کوئی شخص آئے اور امام خطبہ دے رہا ہو تو یہ شخص دو رکعتیں پڑھے۔'' اس صحیح حدیث کے خلاف یہ بے سند، ضعیف و مردود روایتیں سرے سے مردود ہیں۔ سیدنا ابو سعید الخدری رضی اللہ عنہ نے (نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد) جمعہ کے دن، مسجد میں خطبہ کے دوران آ کر دو رکعتیں پڑھیں۔ بعض مَروانی سپاہیوں نے انہیں منع کرنے کی کوشش کی مگر انہوں نے فرمایا:

''میں ان دو رکعتوں کو کس طرح چھوڑ سکتا ہوں جب کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا ہے کہ....''

(جزء رفع الیدین: ۱۶۲ وسندہ حسن، سنن ابی داود: ۱۶۷۵ و سنن الترمذی: ۵۱۱ وقال: ''حسن صحیح'')

حالتِ خطبہ میں آپس میں باتیں کرنے کی ممانعت کے لئے دیکھئے صحیح بخاری (۹۳۴) وصحیح مسلم (۸۵۱)

ابن عون رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ: حسن (بصری رحمہ اللہ) آتے اور امام (جمعہ کا) خطبہ دے رہا ہوتا تھا تو وہ دو رکعتیں پڑھتے تھے۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ج ۲ ص ۱۱۱ ح ۵۱۶۵ وسندہ صحیح) وما علینا إلا البلاغ (۴ محرم ۱۴۲۷ھ)

سوال: ''میرا نام بلال نیازی ہے میرا تعلق میانوالی سے ہے میں پہلی بار آپ کو خط لکھ رہا ہوں میں نے آپ کے تین رسالے (مارچ، اپریل، مئی ۲۰۰۵) پڑھے ہیں۔ ماشاء اللہ آپ بہت اچھا لکھتے ہیں۔ میں نے ایک قصہ اپنے شہر کی مسجد میں سنا تھا، عبداللہ بن مبارک اور عورت کا جو ہر بات کا جواب قرآنی آیت سے دیتی ہے اللہ کا شکر ہے آپ کی کتاب سے مجھے اس قصے کی حقیقت کا پتا چلا اب ایک بار پھر ایک قصہ سننے کو ملا میں نے کہا: چلو آپ سے معلوم کیا جائے اس بہانے آپ سے رابطہ شروع ہو جائے گا، قصہ یوں ہے کہ ایک شخص ''حضرت جریج'' نامی ایک بار نماز پڑھ رہا تھا ماں نے اسے آواز دی لیکن انہوں نے جواب نہیں دیا بار بار آواز دینے پر جواب نہ آیا تو ماں نے بد دعا دی کہ تو بدنامی کا منہ دیکھے کچھ عرصے بعد ایک عورت نے الزام لگایا اس کا ایک بچہ ان سے ہے آپ پریشان ہوئے اور اللہ سے توبہ کی اور بچے کی طرف اشارہ کیا اور پوچھا تو کس کا بچہ ہے کچھ دنوں کے بچے نے ایک آدمی جو چرواہا تھا کی طرف اشارہ کیا یہ میرا باپ ہے۔ اب مجھے یہ معلوم کرنا ہے کہ یہ قصہ سچا ہے یا جھوٹا اسلام کے بعد کا ہے یا قبل کا اور اس کے راویوں کا کیا معاملہ ہے؟

۲: اور ایک بات کہ میرے چچا کے بیٹے نے اپنی بیٹی کا نام ''مِشائم'' رکھا ہے وہ کہتا ہے حضرت یوسف علیہ السلام کی دو بیٹیاں تھیں ایک (کا) نام مِشائم اور ایک (کا نام) عمرائم تھا، آپ سے یہ پوچھنا ہے کیا واقعی اِن کی دو بیٹیاں تھیں اور کیا یہ نام عربی کے ہیں یا عبرانی کے کیونکہ مجھے کسی نے کہا ہے کہ ان کے دو بیٹے تھے۔'' (بلال نیازی میانوالی)

جریج راہب کا قصہ

الجواب (۱): بنی اسرائیل کے راہب جریج اور ان کی ماں والا قصہ صحیح سند سے ثابت ہے۔ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: جریج اپنی کوٹھڑی نما عبادت خانے میں عبادت کر رہے تھے کہ اُن کی والدہ تشریف لائیں۔ حمید (بن ہلال، راویٔ حدیث) نے کہا کہ ابو رافع (راویٔ حدیث) نے ابو ہریرہ (رضی اللہ عنہ) سے، انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے جریج کی والدہ کی حالت بیان کی کہ کس طرح اُس نے اپنی پلکوں پر ہتھیلی رکھ کر، پھر سر اُٹھا کر اپنے بچے کو آواز دی تھی۔ اس نے کہا: اے جریج! میں تیری ماں ہوں، مجھ سے بات کر۔ جریج نماز پڑھ رہے تھے۔ جریج نے (اپنے دل میں) کہا: اے میرے اللہ! ایک طرف میری ماں ہے اور دوسری طرف میری نماز ہے؟!

پس جریج نے نماز پڑھنی جاری رکھی تو ان کی والدہ واپس لوٹ گئیں۔ پھر وہ دوسری دفعہ آئیں اور کہا: اے جریج! میں تیری ماں ہوں مجھ سے بات کر۔ جریج نے کہا: اے میرے اللہ! ایک طرف میری ماں ہے اور دوسری طرف میری نماز ہے؟! پھر وہ نماز پڑھتے رہے تو ان کی ماں نے کہا: اے میرے اللہ! یہ جریج میرا بیٹا ہے، میں اس سے بات کرتی ہوں مگر یہ مجھ سے بات نہیں کرنا چاہتا۔ اے اللہ! اس کو اس کے مرنے سے پہلے بدکار عورتوں کا چہرہ دکھادے۔ (راوی نے) کہا: اگر وہ جریج کے فتنے میں مبتلا ہونے کی دعا کرتیں تو وہ فتنے میں مبتلا ہو جاتے۔ فرمایا کہ: بھیڑوں کا ایک چرواہا، جریج کے عبادت خانے کے قریب رہتا تھا، اُس نے (ایک دن) اس گاؤں کی ایک عورت کے ساتھ زنا کر لیا جس سے اسے حمل ہو گیا۔ پھر جب اس کا بچہ پیدا ہوا تو لوگوں نے پوچھا: یہ کس کا بچہ ہے؟ اُس عورت نے کہا: اس عبادت خانے والے (جریج) کا بچہ ہے۔

لوگ کدالیں اور پھاوڑے لے آئے اور جریج کو آواز دی۔ وہ نماز پڑھ رہے تھے۔ جریج نے لوگوں سے کوئی بات نہیں کی تو لوگ اس کے عبادت خانے کو گرانے لگے۔ جب جریج نے یہ معاملہ دیکھا تو اُتر کر لوگوں سے پوچھا کہ یہ کیا ہے؟ لوگوں نے کہا: اس عورت سے پوچھو۔

جریج مسکرائے پھر اس عورت کے (دو تین دن کے) چھوٹے بچے کے سر پر ہاتھ پھیرا اور پوچھا: تیرا باپ کون ہے؟ اس نے جواب دیا کہ: بھیڑوں کا چرواہا ہے۔ جب لوگوں نے (باتیں نہ کر سکنے والے بچے سے) یہ سُن لیا تو (جریج سے) کہا: ہم آپ کے لئے سونے چاندی کا عبادت خانہ بنا دیتے ہیں۔ انھوں نے کہا: نہیں، جس طرح پہلے یہ مٹی کا تھا اسی طرح بنا دو۔ پھر وہ اپنے عبادت خانے پر چڑھ گئے۔

(صحیح بخاری: ۳۴۳۶ و صحیح مسلم: ۲۵۵۰ و ترقیم دار السلام: ۶۵۰۸ واللفظ لہ)

یہ قصہ بالکل سچا ہے اور زمانۂ اسلام سے پہلے، بنی اسرائیل کے دور کا ہے، اس کے سارے راوی اعلیٰ درجے کے ثقہ اور قابلِ اعتماد ہیں۔

۲: سیدنا یوسف علیہ السلام کے دو بیٹوں (۱) افراہیم اور (۲) منشا کا ذکر بغیر کسی سند کے تاریخ ابن جریر الطبری (ج ۱ ص ۳۶۴) میں موجود ہے۔

عمرائیم اور مشائم (بیٹیوں) کے نام مجھے کہیں نہیں ملے اور نہ سیدنا یوسف علیہ السلام کی دو بیٹیوں کا کہیں ثبوت ملا ہے۔

لہٰذا اس سلسلے میں دلیل نہ ہونے کی وجہ سے مکمل سکوت میں ہی فائدہ ہے۔

(۱۹ صفر ۱۴۲۷ھ)

دھوپ اور چھاؤں میں بیٹھنا

سوال: '' ایک روایت میں آیا ہے کہ:

''حضرت ابو ہریرہ کہتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے: تم میں سے جب کوئی شخص سایہ میں بیٹھا ہو پھر وہ سایہ جاتا رہے (یعنی اس پر دھوپ آجائے) اور اس کے جسم کا کچھ حصہ دھوپ میں اور کچھ سائے میں ہو تو اس کو چاہئے کہ وہ (وہاں سے) اٹھ کھڑا ہو (اور بالکل سایہ میں جا بیٹھے یا بالکل دھوپ میں) [ابوداؤد] اور شرح السنہ میں یہ الفاظ ہیں کہ تم میں سے جو شخص سایہ میں بیٹھا ہو پھر وہ سایہ جاتا رہا تو وہاں سے اٹھ کھڑا ہو اس لئے کہ کچھ سایہ میں اور کچھ دھوپ میں بیٹھنا شیطان کا کام ہے۔'' (مشکوٰۃ المصابیح جلد دوم ص ۴۵۷ ح ۴۷۲۵، ۴۷۲۶)

محترم! دھوپ اور سایہ میں نماز کے متعلق قرآن وسنت کی روشنی میں وضاحت فرمائیں۔۔۔

اس کے متعلق مفصل وضاحت کریں۔ اللہ تعالیٰ آپ کو جزائے خیر عطا فرمائے آمین۔''

(کلیم عبدالرحمٰن ندیم، احمد دواخانہ محلّہ رسول پورہ سمندری فیصل آباد)

الجواب: مشکوٰۃ والی روایت سنن ابی داود (کتاب الادب، باب ۱۵ ح ۴۸۲۱) مسند الحمیدی (بتحقیقی: ۱۱۴۵) اور السنن الکبریٰ للبیہقی (۲۳۶/۳، ۲۳۷) میں محمد بن المنکدر قال: **حدثني من سمع أبا هريرة** '' کی سند سے موجود ہے۔ اس میں حدثنی کا فاعل ''**من سمع**'' مجہول ہے۔ لہٰذا یہ سند ضعیف ہے۔

منذری نے کہا: ''**وتابعيه مجهول**'' اور اس کا (راوی) تابعی مجہول ہے۔ (الترغیب والترہیب ۵۹/۴)

تنبیہ: اس مجہول تابعی کا ذکر مسند احمد (۳۸۳/۲ ح ۸۹۷۶) وغیرہ سے گر گیا ہے۔

شرح السنۃ للبغوی (۳۰۱/۱۲ ح ۳۳۳۵) والی روایت موقوف اور منقطع ہے۔ اور اس میں محمد بن المنکدر راوی اور سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے درمیان اس حدیث میں مجہول واسطہ گر گیا ہے۔

شرح السنہ والی روایت مصنف عبدالرزاق میں بھی موجود ہے (ج ۱۱ ص ۲۳، ۲۴ ح ۱۹۷۹۹)

صاحبِ مصنف: عبدالرزاق الصنعانی رحمہ اللہ مدلس تھے لہٰذا جب تک ان کی بیان کردہ سند میں ان کے سماع کی تصریح نہ ہو اس سے استدلال جائز نہیں ہے۔ امام عبدالرزاق کی تدلیس کے لئے دیکھئے کتاب الضعفاء للعقیلی (ج ۳ ص ۱۱۰، ۱۱۱ وسندہ صحیح)

عبدالرزاق نے ضعیف سند کے ساتھ محمد بن المنکدر رحمہ اللہ سے نقل کیا ہے کہ وہ دھوپ اور چھاؤں میں بیٹھنا جائز سمجھتے تھے۔
(ح ۱۹۸۰۱ عن اسماعیل بن ابراہیم بن ابان؟)

امام عبدالرزاق نے ''عن معمر عن قتادة '' کی سند سے نقل کیا ہے کہ قتادہ (تابعی) دھوپ اور چھاؤں میں بیٹھنا مکروہ سمجھتے تھے۔ (ح ۱۹۸۰۰) اس کی سند تدلیس عبدالرزاق کی وجہ سے ضعیف ہے۔

مجہول تابعی والی مرفوع روایت کے دو شاہدوں کی تحقیق درج ذیل ہے:

۱: **قتادة عن كثير (بن أبي كثير البصري) عن أبي عياض (عمرو بن الأسود العنسي) عن رجل من أصحاب النبي صلى الله عليه وسلم إلخ** (مسند احمد ۳/ ۴۱۳، ۴۱۴ ح ۱۵۴۲۱)

اس میں قتادہ راوی مدلس ہے اور روایت عن سے ہے۔ شیخ البانی رحمہ اللہ نے ابوبکر الشافعی کی ''حدیثہ'' (قلمی ۲/۴) سے نقل کیا ہے کہ اسے شعبہ نے قتادہ سے بیان کیا ہے۔ (السلسلۃ الصحیحہ: ۸۳۸)

شیخ صاحب نے شعبہ تک سند بیان نہیں کی لہٰذا یہ حوالہ بھی مردود ہے۔ اس کے برعکس مسدد بن مسرہد نے یحییٰ (بن سعید القطان) عن شعبہ کی سند سے اس روایت کو مرسلاً بیان کیا ہے۔ دیکھئے اتحاف المہرة (۱۶/۲ اص ۶۳۷ ح ۲۱۲۱۵)

معلوم ہوا کہ متصل سند میں تدلیس کی وجہ سے گڑبڑ ہے۔ تدلیس والی یہی روایت مستدرک الحاکم (۴/ ۲۷۱ ح ۷۷۱۰) میں ''**عن أبي هريرة**'' کی سند سے موجود ہے۔ اسے حاکم اور ذہبی دونوں نے صحیح کہا ہے لیکن اس کی سند قتادہ کی تدلیس کی وجہ سے ضعیف ہے۔ [قتادہ کی ایک مرسل روایت کے لئے دیکھئے مصنف ابن ابی شیبہ ۸/ ۴۹۱ ح ۲۵۹۴۹]

۲: ''**أبو المنيب عن ابن بريدة عن أبيه أن النبي صلى الله عليه وسلم نهى أن يقعد بين الظل والشمس**''

بریدہ (بن الحصیب رضی اللہ عنہ) سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے دھوپ اور چھاؤں میں بیٹھنے سے منع فرمایا ہے۔
(ابن ماجہ: ۳۷۲۲، ابن ابی شیبہ فی المصنف ۸/ ۴۹۱ ح ۲۵۹۵۴، المستدرک ۴/ ۲۷۲ ح ۷۷۱۴)

اس کی سند حسن ہے۔ (تسہیل الحاجۃ، قلمی ص ۲۶۱) اسے بوصیری نے حسن قرار دیا ہے۔

اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ ''**مجلس الشيطان**'' یا ''**مقعد الشيطان**'' کے الفاظ کے بغیر یہ روایت حسن ہے لہٰذا سنن ابی داود والی روایت بھی اس سے حسن بن جاتی ہے۔

عکرمہ تابعی فرماتے ہیں کہ جو شخص دھوپ اور چھاؤں میں بیٹھتا ہے تو ایسا بیٹھنا شیطان کا بیٹھنا ہے۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ۸/ ۴۹۱ ح ۲۵۹۵۳ وسندہ صحیح) عبید بن عمیر (تابعی) نے فرمایا: دھوپ اور چھاؤں میں بیٹھنا شیطان کا بیٹھنا ہے۔
(ابن ابی شیبہ: ۲۵۹۵۲ وسندہ صحیح)

لہٰذا ایسے بیٹھنے سے اجتناب کرنا چاہئے۔ **وما علينا إلا البلاغ**

(۱۹ صفر ۱۴۲۷ھ)

کیا اللہ تعالیٰ ہر جگہ بذاتہ موجود ہے؟

سوال: ''سورۃ الحدید کی چوتھی آیت کی روشنی میں یہ کہنا کہ اللہ تعالیٰ ہر جگہ موجود ہے۔ کیا صحیح ہے؟ اگر صحیح نہیں تو اس کی کیا دلیل ہے۔''؟ (عبدالمتین، ماڈل ٹاؤن، لاہور)

الجواب: ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ ﴿هُوَ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ فِیْ سِتَّةِ اَیَّامٍ ثُمَّ اسْتَوٰی عَلَی الْعَرْشِ ؕ یَعْلَمُ مَا یَلِجُ فِی الْاَرْضِ وَ مَا یَخْرُجُ مِنْهَا وَمَا یَنْزِلُ مِنَ السَّمَآءِ وَمَا یَعْرُجُ فِیْهَا ؕ وَهُوَ مَعَكُمْ اَیْنَ مَا كُنْتُمْ ؕ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِیْرٌ﴾

''وہی ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو چھ دنوں میں پیدا کیا، پھر عرش (بریں) پر متمکن ہو گیا۔ وہ اسے بھی جانتا ہے جو کچھ زمین میں داخل ہوتا ہے اور (اسے بھی جانتا ہے) جو کچھ اس میں سے نکلتا ہے اور جو کچھ آسمان سے اترتا ہے اور جو کچھ اس میں چڑھتا ہے، اور وہ تمہارے ساتھ ہے خواہ تم کہیں بھی ہو۔ اور جو کچھ بھی تم کیا کرتے ہو اسے وہ دیکھتا ہوتا ہے۔'' (سورۃ الحدید: ۴، الکتاب/ ڈاکٹر محمد عثمان ص ۳۲۴)

اس آیت کریمہ میں ﴿وَهُوَ مَعَكُمْ اَیْنَ مَا كُنْتُمْ ؕ﴾ کی تشریح میں قدیم مفسرِ قرآن، امام محمد بن جریر بن یزید الطبری رحمہ اللہ (متوفی ۳۱۰ھ) فرماتے ہیں کہ: ''**وھو شاھد علیکم أیھا الناس أینما کنتم یعلمکم ویعلم أعمالکم ومتقلبکم ومثواکم وھو علی عرشه فوق سمٰواته السبع** '' اور اے لوگو! وہ (اللہ) تم پر گواہ ہے، تم جہاں بھی ہو وہ تمہیں جانتا ہے، وہ تمہارے اعمال، پھرنا اور ٹھکانا جانتا ہے اور وہ اپنے سات آسمانوں سے اوپر اپنے عرش پر ہے۔ (تفسیر طبری ج ۲۷ ص ۱۲۵)

اسی مفہوم کی ایک آیت کریمہ کے بارے میں مفسر ضحاک بن مزاحم الہلالی الخراسانی رحمہ اللہ (متوفی ۱۰۶ھ) فرماتے ہیں کہ: ''**ھو فوق العرش وعلمه معھم أینما کانوا** '' وہ عرش پر ہے اور اس کا علم ان (لوگوں) کے ساتھ ہے چاہے وہ جہاں کہیں بھی ہوں۔ (تفسیر طبری ج ۲۸ ص ۱۰ و سندہ حسن)

امام مقرئ محقق محدث اثری ابو عمر احمد بن محمد بن عبداللہ الطلمنکی الاندلسی رحمہ اللہ (متوفی ۴۲۹ھ) فرماتے ہیں کہ:

''اہل سنت مسلمانوں کا اس پر اجماع ہے کہ ﴿وَهُوَ مَعَكُمْ اَیْنَ مَا كُنْتُمْ ؕ﴾ (الحدید: ۴) وغیرہ آیات کا مطلب یہ ہے کہ ''**أن ذلك علمه وأن الله فوق السمٰوات بذاته، مستوٍ علی عرشه کیف شاء** '' بے شک اس سے اللہ کا علم مراد ہے، اللہ اپنی ذات کے لحاظ سے آسمانوں پر، عرش پر مستوی ہے جیسے وہ چاہتا ہے۔

(شرح حدیث النزول لابن تیمیہ ص ۱۴۴، ۱۴۵)

اس اجماع سے معلوم ہوا کہ بعض الناس کا اس آیت کریمہ سے یہ مسئلہ تراشنا کہ ''اللہ اپنی ذات کے ساتھ ہر جگہ موجود ہے۔'' غلط اور باطل ہے اور اجماع کے مخالف ہونے کی وجہ سے مردود ہے۔

مسئولہ آیتِ کریمہ میں ''یَعْلَمُ '' کا لفظ بھی صاف طور پر اسی پر دلالت کرتا ہے کہ یہاں معیت سے علم وقدرت مراد ہے۔تفصیل کے لئے دیکھئے ہمارے استاد محترم شیخ بدیع الدین الراشدی رحمہ اللہ کی کتاب ''توحید خالص'' (ص ۲۷۷)

حارث بن اسد المحاسبی رحمہ اللہ (متوفی ۲۴۳ھ) فرماتے ہیں کہ: ''وكذلك لا يجوز ...'' إلخ اور اسی طرح یہ کہنا جائز نہیں ہے کہ۔۔۔اللہ زمین پر ہے۔ (فہم القرآن ومعانیہ، القسم الرابع، باب مالا یجوز فیہ النسخ)

حافظ ابن الجوزی فرماتے ہیں کہ: ''(جہمیہ کے فرقے) ملتزمہ نے باری تعالیٰ کو ہر جگہ (موجود) قرار دیا ہے۔''

(تلبیس ابلیس ص ۳۰، راقم الحروف کی کتاب: بدعتی کے پیچھے نماز کا حکم ص ۱۹)

شیخ عبدالقادر جیلانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ: ''اور یوں کہنا جائز نہیں کہ وہ (اللہ) ہر مکان میں ہے بلکہ یوں کہنا چاہئے کہ وہ آسمان میں عرش پر ہے۔'' (غنیۃ الطالبین ج ۱ص ۱۰۰) [نیز دیکھئے الحدیث: ۱۰ ص ۴۳۔۴۶]

حسین مجھ سے ہیں اور میں حسین سے ہوں

سوال: ''کچھ حدیثیں ارسال کر رہا ہوں۔ مہربانی فرما کر اسماء رجال کی نظر میں (تحقیق کریں کہ) یہ روایات کیسی ہیں؟

نمبر ①: حضرت اُم فضل فرماتی ہیں ایک روز میں نے دیکھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی آنکھیں برس رہی تھیں۔ میں نے پوچھا: میرے ماں باپ قربان آپ کیوں گریہ فرما رہے ہیں؟ آپ نے فرمایا: میرے پاس جبرائیل آئے اور مجھے بتایا کہ میری اُمت میرے اس بیٹے کو قتل کرے گی۔ جبرائیل اس جگہ کی سُرخ مٹی بھی میرے پاس لائے جہاں اسے قتل کیا جائے گا۔ مشکوٰۃ، بیہقی فی دلائل النبوت۔

نمبر ②: حسین مجھ سے ہے اور میں حسین سے ہوں جو حسین سے محبت کرے اللہ اس سے محبت کرے۔ حسین میری نسلوں میں سے ایک نسل ہے۔ مستدرک حاکم جلد ۳ص ۱۵۹'' (فضل حسین۔ قلعہ دیدار سنگھ)

الجواب:

① ام الفضل بن الحارث رضی اللہ عنہا سے منسوب روایت دلائل النبوۃ للبیہقی (۶/ ۴۶۹) میں بحوالہ محمد بن مصعب: حدثنا الاوزاعی عن شداد بن عبداللہ کی سند سے مذکور ہے۔ اس کی سند محمد بن مصعب کی وجہ سے ضعیف ہے۔

(اضواء المصابیح فی تحقیق مشکوٰۃ المصابیح: ۶۱۷۱)

محمد بن مصعب بن صدقہ القرقسائی پر جمہور محدثین نے جرح کر رکھی ہے۔

امام احمد بن حنبل نے فرمایا: محمد بن مصعب القرقسانی کی اوزاعی سے حدیث مقارب (یعنی صحت وتحسین کے قریب) ہوتی ہے۔ (مسائل ابی داود: ۳۲۸ بحوالہ موسوعۃ اقوال الامام احمد ۳/ ۳۱۷، ۳۱۸، تاریخ بغداد ج ۳ص ۲۷۷ وسندہ صحیح)

اس کے مقابلے میں ابوزرعہ الرازی نے کہا: ''محمد بن مصعب يخطئ كثيراً عن الأوزاعي وغيره'' محمد بن مصعب اوزاعی وغیرہ سے بہت غلطیاں کرتا ہے (کتاب الضعفاء لابی زرعۃ الرازی ج ۲ص ۴۰۰)

حافظ ابن حبان نے محمد بن مصعب کی اوزاعی سے ایک روایت کو ''باطل'' کہا (کتاب المجروحین ۲/۲۹۴)

ابو احمد الحاکم نے کہا: ''روی عن الأوزاعي أحادیث منکرۃ'' اس نے اوزاعی سے منکر حدیثیں بیان کی ہیں۔

(تہذیب التہذیب ج ۹ ص ۴۶۱، ولعلہ فی کتاب الکنیٰ لأبی احمد الحاکم)

معلوم ہوا کہ قولِ راجح میں محمد بن مصعب کی اوزاعی سے بھی روایت ضعیف ہی ہوتی ہے، اُسے ''مقارب'' کہنا صحیح نہیں ہے۔

② یہ روایت ''حسین مني وأنا من حسین أحب اللہ من أحب حسیناً، حسین سِبط من الأسباط'' کے متن کے ساتھ عبداللہ بن عثمان بن خثیم عن سعید بن ابی راشد عن یعلی العامری کی سند سے درج ذیل کتابوں میں موجود ہے۔

مسند الامام احمد (۴/۱۷۲) وفضائل الصحابۃ للامام احمد (ح ۱۳۶۱) مصنف ابن ابی شیبہ (۱۲/۱۰۲، ۱۰۳ ح ۳۲۱۸۶) المستدرک للحاکم (۳/۱۷۷ ح ۴۸۲۰ وقال: ھذا حدیث صحیح الاسناد وقال الذھبی: صحیح)

صحیح ابن حبان (الاحسان: ۶۹۳۲، دوسرا نسخہ: ۶۹۷۱) المعجم الکبیر للطبرانی (۳/۳۳ ح ۲۵۸۹ و ۲۲/۲۷۴ ح ۷۰۲) سنن ابن ماجہ (۱۴۴) سنن الترمذی (۳۷۷۵ وقال: ''ھذا حدیث حسن'')

اس حدیث کی سند حسن ہے۔ اسے ابن حبان، حاکم اور ذہبی نے صحیح اور ترمذی نے حسن قرار دیا ہے۔ بوصیری نے کہا: ''ھذا إسناد حسن، رجالہ ثقات''

اس کا راوی سعید بن ابی راشد: صدوق ہے۔ حافظ ذہبی نے کہا: صدوق (الکاشف ۱/۲۸۵ ت ۱۹۰۰)

اسے ابن حبان، ترمذی اور حاکم نے ثقہ وصدوق قرار دیا ہے۔ بعض الناس کا یہ کہنا کہ ''اس کی توثیق صرف ابن حبان نے کی ہے'' باطل ہے۔

شیخ البانی رحمہ اللہ نے غلط فہمی کی بنیاد پر سعید بن ابی راشد پر جرح کرنے کے باوجود اس حدیث کو شواہد کی وجہ سے حسن قرار دیا ہے اور اسے اپنی مشہور کتاب السلسلۃ الصحیحہ میں داخل کیا ہے دیکھئے (ج ۳ ص ۲۲۹ ح ۱۲۲۷)

خلاصۃ التحقیق: یہ روایت حسن لذاتہ اور صحیح لغیرہ ہے۔ والحمدللہ (۲۰ صفر ۱۴۲۷ھ)

شذرات الذہب — سنت (احادیث) پر عمل اور جنت — ابو معاذ

سیدنا ابو سعید الخدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''من أکل طیّباً وعمل في سنۃ وأمن الناس بوائقہ دخل الجنۃ'' جو شخص پاک (حلال) کھائے، سنت پر عمل کرے اور لوگوں کو اپنے شر سے محفوظ رکھے تو وہ جنت میں داخل ہوگا۔ (سنن الترمذی: ۲۵۲۰ وسندہ حسن، وصححہ الحاکم ۴/۱۰۴ والذہبی)

تنبیہ: ابو بشر راوی کی توثیق حاکم اور ذہبی نے کر دی ہے لہٰذا اُسے مجہول قرار دینا غلط ہے۔ ایسے موثق راوی کی حدیث حسن کے درجے سے نہیں گرتی۔ والحمدللہ

ابوالاسجد محمد صدیق رضا

ترکِ رفع یدین اور'' تفسیر'' ابنِ عباس

[ایک دیوبندی شخص نے محترم ابوالاسجد محمد صدیق رضا حفظہ اللہ کو رفع یدین کے سلسلے میں ایک خط لکھا تھا جس کا انہوں نے مسکت جواب دیا۔ ویسے تو جس شخص نے یہ خط لکھا تھا، اس کی علمی حیثیت کچھ نہیں البتہ یہ دلائل آلِ تقلید کے اکابر بھی ''رفع الیدین عندالرکوع والرفع منہ'' کے خلاف پیش کرتے رہتے ہیں۔ تقریباً ہر مقام پر ہر دلیل کے جواب سے پہلے جناب محمد صدیق رضا صاحب نے اس کی نشاندہی کی ہے۔ افادۂ عام کے لئے ہم اس جواب کو معمولی تبدیلی کے ساتھ فاضل مجیب کی رضامندی سے ''الحدیث'' میں شائع کررہے ہیں۔/ حافظ ندیم ظہیر]

الحمدلله رب العالمین والصلوٰة والسلام علی سید الأنبیاء والمرسلین وعلی آله وأصحابه أجمعین، أمابعد:

(جناب ....) صاحب! آپ کی طرف سے ''رفع یدین'' کے مسئلے پر ایک عدد چھوٹی پرچی اور ایک چار ورقی تحریر، بھائی انور قاسم صاحب وعبدالخالق نے عنایت فرمائی اور اس کے جواب کا مطالبہ کیا کہ اس کا جواب لکھو۔

اس موضوع پر اب تک اتنا کچھ لکھا جا چکا ہے کہ اس پر مزید لکھنے کی کوئی خاص ضرورت محسوس نہیں ہوتی، لیکن ابھی اس بات کو بمشکل چند دن ہی گزرے کہ خود جناب کی طرف سے انتہائی شدت کے ساتھ جواب کا مطالبہ شروع ہوگیا، اور آپ کے انداز سے تو یوں لگتا تھا کہ گویا آپ نے اپنی اس چار ورقی تحریر + چھوٹی پرچی میں بہت بڑا میدان مارلیا ہے جو جناب سے پہلے کسی کے لئے ممکن نہ ہوا تھا، پھر آپ کا یہ جارحانہ انداز کہ ''جواب سے سکوت کرکے گونگا شیطان بننے کی اجازت نہیں'' (آپ کی تحریر ص۴)

پس بادل نخواستہ کچھ معروضات عرض کرنے پر آمادہ ہوا، اس سلسلے میں پہلے آپ کی چار ورقی تحریر سے متعلق کچھ معروضات عرض کرنا چاہوں گا پھر ان شاء اللہ آپ کی چھوٹی سی پرچی کے ساتھ بھی پورا پورا انصاف کیا جائے گا، تو آیئے آپ کی قدرے تفصیلی تحریر پر غور وفکر کرتے ہیں۔ آپ کی پہلی دلیل ایک تفسیری روایت ہے، جو آپ نے کچھ اس طرح نقل فرمائی ہے۔

''قَالَ اللّٰهُ تَبَارَكَ وَتَعَالیٰ: ﴿الَّذِیْنَ هُمْ فِیْ صَلَاتِهِمْ خٰشِعُوْنَ﴾'' (المؤمنون:۲)

(چند سطور بعد) ......اللہ تبارک وتعالیٰ کی آیت کا معنیٰ امام المفسرین حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے یہ کیا ہے:۔ **مخبتون متواضعون لا یلتفتون یمیناً ولا شمالاً ولا یرفعون أیدیهم فی صلاتهم** (تفسیر ابن عباس رضی اللہ عنہ ص ۳۵۹) خشوع کے لئے ضروری ہے کہ رفع یدین بھی نماز میں نہ کرے۔'' (آپ کی تحریر ص ۱)

.....صاحب! کم از کم عبارت کا ترجمہ تو لکھ دیتے، غالباً جناب نے یہ دلیل (دیوبندیوں کی کتاب) آٹھ مسائل (ص ۱۹) سے نقل کی ہے وہاں صرف اتنا ہی لکھا ہوا ہے جتنا جناب نے نقل کیا، ترجمہ تو وہاں بھی نہیں۔

امین اوکاڑوی دیوبندی نے بھی مجموعہ رسائل (جدید ایڈیشن ج ا ص ۱۵۰ مطبوعہ لاہور) میں یہ قول اس طرح نقل کیا:
'' قال ابن عباس :الذین لا یرفعون اید یھم فی صلاتھم '' لیکن آپ کے نقل کردہ الفاظ اس سے کچھ مختلف ہیں البتہ حبیب اللہ ڈیروی دیوبندی صاحب اپنی کتاب ''نور الصباح'' (ص ۲۷ طبع دوم) میں بالکل انہی الفاظ میں یہ روایت لائے ہیں۔ اُنہی کا ترجمہ نقل کیئے دیتا ہوں، لکھا ہے ''عاجزی وانکساری کرنے والے جو دائیں اور بائیں نہیں دیکھتے اور نہ وہ نماز میں رفع یدین کرتے ہیں'' (نور الصباح ص ۲۷) مسئلہ زیر بحث میں یہ عبارت اہم ہے سو اسی لئے آپ کی (اپنی تسلیم کردہ) معتبر شخصیت کا ترجمہ ضروری تھا۔
آمدم برسر مطلب !.....صاحب زحمت فرما کر یہ تفسیر اصل ماخذ سے ملاحظہ کیجئے تو اس کے شروع میں اس تفسیر کی سند نظر آئے گی جو کچھ اس طرح ہے کہ اس کی سند میں تین راوی پائے جاتے ہیں....محمد بن مروان السدی عن محمد بن السائب الکلبی عن أبی صالح عن ابن عباس رضی اللہ عنہ۔ طویل سند میں یہ تینوں نام ایک ہی سلسلہ میں نظر آئیں گے۔
(تنویر المقباس تفسیر ابن عباس ص ۲ مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی)
یہ وہ سلسلہ ہے جسے اہل علم ''سلسلة الکذب '' (یعنی جھوٹ کا سلسلہ) کے نام سے جانتے ہیں، اس کا پہلا راوی۔
۱: **محمد بن مروان السدی الکوفی** ہے، السدی الصغیر یا السدی الاصغر کے لقب سے معروف ہے۔ حافظ ذہبی اس کے احوال میں لکھتے ہیں: ''**ترکوہ واتھمہ بعضھم بالکذب، وھو صاحب الکلبي** '' اسے (محدثین نے) ترک کر دیا تھا اور بعض نے اسے جھوٹ کے ساتھ متّہم کیا، یہ الکلبی کا شاگرد تھا۔ (میزان الاعتدال ۳۲/۴)
۱۔ دیوبندی حلقہ کے نزدیک موجودہ دور کے ''امام اہلسنت'' سرفراز خان صفدر صاحب لکھتے ہیں:
''اور محمد بن مروان السدی الصغیر کا حال بھی سن لیجئے:
امام بخاری فرماتے ہیں کہ اس کی روایت ہرگز نہیں لکھی جا سکتی (ضعفاء صغیر امام بخاری ص ۲۹)
اور امام نسائی فرماتے ہیں کہ وہ متروک الحدیث ہے۔ (ضعفاء امام نسائی ص ۵۲) علامہ ذہبی لکھتے ہیں کہ حضرات محدثین کرام نے اس کو ترک کر دیا ہے اور بعض نے اس پر جھوٹ بولنے کا الزام بھی لگایا ہے۔ امام ابن معین کہتے ہیں کہ وہ ثقہ نہیں ہے۔ امام احمد فرماتے ہیں کہ میں نے اس کو چھوڑ دیا تھا۔ ابن عدی کا بیان ہے کہ جھوٹ اس کی روایت پر بالکل بین ہے۔ (میزان الاعتدال ج ۳ ص ۱۳۲) امام بیہقی فرماتے ہیں کہ وہ متروک ہے (کتاب الاسماء والصفات ص ۳۹۴) حافظ ابن کثیر فرماتے ہیں کہ وہ بالکل متروک ہے۔ (تفسیر ابن کثیر ج ۳ ص ۵۱۵) علامہ سبکی لکھتے ہیں کہ وہ ضعیف ہے (شفاء السقام ص ۳۷) علامہ محمد طاہر لکھتے ہیں کہ وہ کذاب ہے (تذکرہ الموضوعات ص ۹۰) جریر بن عبدالحمید فرماتے ہیں کہ وہ کذاب ہے، ابن نمیر کہتے ہیں کہ وہ محض ہیچ ہے۔ یعقوب بن سفیان کہتے ہیں کہ وہ ضعیف ہے۔ صالح بن محمد فرماتے ہیں کہ وہ ضعیف تھا'' **وکان یضع** '' (خود جعلی حدیثیں بنایا کرتا تھا) ابوحاتم کہتے ہیں کہ وہ متروک الحدیث ہے اس کی حدیث ہرگز نہیں لکھی جا سکتی۔'' (ازالۃ الریب ص ۳۱۶)
۲۔ یہی موصوف ایک اور مقام پر لکھتے ہیں:

''صوفی صاحب نے اپنے بڑوں کی پیروی کرتے ہوئے روایت تو خوب پیش کی ہے مگر ان کو سودمند نہیں کیونکہ ''سدی'' فنِ روایت میں ''ہیچ'' ہے۔ امام ابن معین فرماتے ہیں کہ ان کی روایت میں ضعف ہوتا ہے۔ امام جوز جانی فرماتے ہیں ''هو كذاب شتام '' وہ بہت بڑا جھوٹا اور تبرائی تھا..... امام طبری فرماتے ہیں کہ اس کی روایت سے احتجاج درست نہیں..... اس روایت کی مزید بحث ازالۃ الریب میں دیکھئے۔ ان بے جان اور ضعیف روایتوں سے کوئی مسئلہ ثابت نہیں ہوسکتا'' (تفریح الخواطر فی ردتنویر الخواطر ص ۷۷ تا ۷۸)

۳۔ سرفراز صاحب اپنی ایک اور کتاب میں لکھتے ہیں:

''سدی کا نام محمد بن مروان ہے...... امام احمد فرماتے ہیں کہ میں نے اس کو بالکل ترک کر دیا ہے (حیرت ہے کہ امام احمد بن حنبل جیسی نقاد حدیث شخصیت تو اس کی روایت کو ترک کرتی ہے مگر مولوی نعیم الدین صاحب اور ان کی جماعت اس کی روایت سے......)'' (تنقید متین ص ۱۶۸)

۴۔ موصوف اپنی ایک اور کتاب میں لکھتے ہیں:

''سدی کذاب اور وضاع ہے'' (اتمام البرہان ص ۴۵۵) ''صغیر کا نام محمد بن مروان'' ہے امام جریر بن عبدالحمید فرماتے ہیں کہ وہ کذاب ہے اور صالح بن محمد فرماتے ہیں کہ وہ جعلی حدیثیں بنایا کرتا تھا بقیہ محدثین بھی اس پر سخت جرح کرتے ہیں۔ انصاف سے فرمائیں کہ ایسے کذاب راوی کی روایت سے دینی کونسا مسئلہ ثابت ہوتا ہے یا ہو سکتا ہے؟'' (اتمام البرہان ص ۴۵۸)

سرفراز خان صفدر دیوبندی لکھتے ہیں کہ:

''آپ لوگ سُدی کی ''دُم'' تھامے رکھیں اور یہی آپ کو مبارک ہو۔'' (اتمام البرہان ص ۴۵۷)

سرفراز خان صاحب مزید فرماتے ہیں کہ:

''آپ نے خازن کے حوالے سے ''سدی کذاب'' کے گھر میں پناہ لی ہے جو آپ کی ''علمی رسوائی'' کے لئے بالکل کافی ہے اور یہ ''داغ'' ہمیشہ آپ کی پیشانی پر چمکتا رہے گا۔'' (اتمام البرہان ص ۴۵۸)

تنبیہ: موجودہ دور میں رفع یدین کے خلاف ''تفسیر ابن عباس'' نامی کتاب سے استدلال کرنے والوں نے بقولِ سرفراز خان صفدر صاحب سُدی کی دُم تھام رکھی ہے اور ان لوگوں کی پیشانی پر رُسوائی کا یہ داغ ہمیشہ چمک رہا ہے۔

[محمد بن مروان السدی کے بارے میں محدثین کے چند اقوال درج ذیل ہیں:

۱۔ بخاری نے کہا: **سكتوا عنه** یہ متروک ہے (التاریخ الکبیر ۱/۲۳۲)

لا يكتب حديثه البتة، اس کی حدیث بالکل لکھی نہیں جاتی (الضعفاء الصغیر: ۳۵۰)

۲۔ یحییٰ بن معین نے کہا: **ليس بثقة** وہ ثقہ نہیں ہے (الجرح والتعدیل ج ۸ ص ۸۶ وسندہ صحیح)

۳۔ ابوحاتم رازی نے کہا: **هو ذاهب الحديث، متروك الحديث، لا يكتب حديثه البتة**، وہ حدیث میں گیا گزرا ہے، متروک ہے، اس کی حدیث بالکل لکھی نہیں جاتی (الجرح والتعدیل ۸۶/۸)

۴۔ نسائی نے کہا: يروي عن الكلبي ، متروك الحديث وہ کلبی سے روایت کرتا ہے، حدیث میں متروک ہے (الضعفاء والمتروکون: ۵۳۸)

۵۔ یعقوب بن سفیان الفارسی نے کہا: وهو ضعيف غير ثقة (المعرفۃ والتاریخ ۱۸۶/۳)

۶۔ ابن حبان نے کہا: كان ممن يروي الموضوعات عن الأثبات، لا يحل كتابة حديثه إلا على جهة الإعتبار ولا الإحتجاج به بحال من الأحوال ، یہ ثقہ راویوں سے موضوع روایتیں بیان کرتا تھا، پرکھ کے بغیر اس کی روایت لکھنا حلال نہیں ہے۔ کسی حال میں بھی اس سے حجت پکڑنا جائز نہیں ہے (المجروحین ۲۸۶/۲)

۷۔ ابن نمیر نے کہا: کذاب ہے (الضعفاء الکبیر للعقیلی ۱۳۶/۴ وسندہ حسن، یاد رہے کہ الضعفاء الکبیر میں غلطی سے ابن نمیر کے بجائے ابن نصیر چھپ گیا ہے)

۸۔ حافظ ہیثمی نے کہا: وهو متروك (مجمع الزوائد ۹۹/۸) أجمعوا على ضعفه اس کے ضعیف ہونے پر اجماع ہے (مجمع الزوائد ۲۱۴/۱)

۹۔ حافظ ذہبی نے کہا: كوفي متروك متهم (دیوان الضعفاء: ۳۹۶۹)

۱۰۔ حافظ ابن حجر نے کہا: ''متهم بالكذب'' (تقریب التہذیب: ۶۲۸۴)]

دوسرا راوی محمد بن السائب الکلبی ہے۔

اس کے متعلق سرفراز خان صاحب نے لکھا ہے کہ:

''کلبی کا حال بھی سن لیجئے...... کلبی کا نام محمد بن السائب بن بشر ابوالنضر الکلبی ہے۔ امام معتمر بن سلیمان اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ کوفہ میں دو بڑے بڑے کذاب تھے، ایک ان میں سے کلبی تھا اور لیث بن ابی سلیم کا بیان ہے کہ کوفہ میں دو بڑے بڑے جھوٹے تھے۔ ایک کلبی اور دوسرا سدی۔ امام ابن معین کہتے ہیں کہ ليس بشيء، امام بخاری فرماتے ہیں کہ امام یحیٰی اور ابن مہدی نے اس کی روایت بالکل ترک کردی تھی۔ امام ابن مہدی فرماتے ہیں کہ ابوجزء نے فرمایا: میں اس بات پر گواہی دیتا ہوں کہ کلبی کافر ہے۔ میں نے جب یہ بات یزید بن زریع سے بیان کی تو وہ بھی فرمانے لگے کہ میں نے بھی ان سے یہی سنا کہ'' أشهد أنه كافر ''میں نے اس کے کفر کی وجہ پوچھی تو انہوں نے فرمایا کہ:

''يقول كان جبرائيل يوحي إلى النبي ﷺ فقام النبي لحاجته وجلس علي فأوحي إلى علي ''

کلبی کہتا ہے کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام آنحضرت ﷺ کی طرف وحی لایا کرتے تھے۔ ایک مرتبہ آپ کسی حاجت کے لئے اٹھ کھڑے ہوئے اور ان کی جگہ حضرت علی رضی اللہ عنہ بیٹھ گئے تو جبرئیل علیہ السلام نے ان پر وحی نازل کردی۔

(یعنی حضرت جبرئیل علیہ السلام آنحضرت ﷺ مورد وحی اور منبط وحی کو نہ پہچان سکے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کو رسول سمجھ کر ان کو وحی سنا گئے...... اور اللہ ہی بہتر جانتا ہے کہ اس بھولے بھالے جبرائیل علیہ السلام نے آگے پیچھے

کیا کیا ٹھوکریں کھائی ہوں گی اور کن کن پر وحی نازل کی ہوگی اور نہ معلوم حضرت علی رضی اللہ عنہ کو بھی وہ اس خفیہ وحی میں کیا کچھ کہہ گئے ہوں گے، ممکن ہے یہ خلافت بلا فصل ہی کی وحی ہو جس کو حضرت جبرائیل علیہ السلام حضرت علی رضی اللہ عنہ کے کان میں پھونک گئے ہوں گے۔ بات ضرور کچھ ہوگی۔ آخر کلبی کا بیان بلا وجہ تو نہیں ہوسکتا، اور کلبی کے اس نظریہ کے تحت ممکن ہے کہ حضرت جبرائیل علیہ السلام پہلی ہی وحی میں بھول کر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو سنا گئے ہوں اور مقصود کوئی اور ہو اور عین ممکن ہے کہ وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ ہی ہوں، آخر کلبی ہی کے کسی بھائی کا یہ نظریہ بھی تو ہے کہ:

جبرائیل کہ آمد چوں از خالق بے چوں　　به پیش محمد شد و مقصود علی بود

معاذ اللہ تعالیٰ، استغفر اللہ تعالیٰ، کلبی نے تو حضرت جبرائیل علیہ السلام جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور وحی کو ایک ڈراما اور کھیل بنا کر رکھ دیا ہے العیاذ باللہ تعالیٰ ثم العیاذ باللہ تعالیٰ۔ صفدر)

بلکہ کلبی نے خود یہ کہا ہے کہ جب میں بطریق ابو صالح عن ابن عباس رضی اللہ عنہ کوئی روایت اور حدیث تم سے بیان کروں تو ''فھو کذب'' (وہ جھوٹ ہے) امام ابو حاتم فرماتے ہیں کہ حضرات محدثین کرام سب اس پر متفق ہیں کہ وہ متروک الحدیث ہے۔ اس کی کسی روایت کو پیش کرنا صحیح نہیں ہے۔ امام نسائی کہتے ہیں کہ وہ ثقہ نہیں ہے اور اس کی روایت لکھی بھی نہیں جاسکتی۔ علی بن الجنید، حاکم ابو احمد اور دارقطنی فرماتے ہیں کہ وہ متروک الحدیث ہے۔ جوزجانی کہتے ہیں کہ وہ کذاب اور ساقط ہے۔ ابن حبان کہتے ہیں کہ اس کی روایت جھوٹ پر جھوٹ بالکل ظاہر ہے اور اس سے احتجاج صحیح نہیں ہے۔ ساجی کہتے ہیں کہ وہ متروک الحدیث ہے اور بہت ہی ضعیف اور کمزور تھا کیونکہ وہ غالی شیعہ ہے، حافظ ابو عبداللہ الحاکم کہتے ہیں کہ ابو صالح سے اس نے جھوٹی روایتیں بیان کی ہیں۔ حافظ ابن حجر لکھتے ہیں:

'' وقد اتفق ثقات أهل النقل على ذمه وترك الرواية عنه فى الأحكام و الفروع''

تمام اہل ثقات اس کی مذمت پر متفق ہیں اور اس پر بھی ان کا اتفاق ہے کہ احکام اور فروع میں اس کی کوئی روایت قابلِ قبول نہیں ہے۔

اور امام احمد بن حنبل نے فرمایا کہ کلبی کی تفسیر اول سے لے کر آخر تک سب جھوٹ ہے اس کو پڑھنا بھی جائز نہیں ہے (تذکرۃ الموضوعات ص۸۲) اور علامہ محمد طاہر الحنفی لکھتے ہیں کہ کمزور ترین روایت فن تفسیر میں کلبی عن ابی صالح عن ابن عباس ہے اور فإذا انضم إليه محمد بن مروان السدي الصغير فهي سلسلة الكذب. (تذکرۃ الموضوعات ص۸۳ واتقان ج۲ص۱۸۹) اور اس روایت میں خیر سے یہ دونوں شیر جمع ہیں ۔'' (ازالۃ الریب ص۳۱۶،۳۱۶) نیز دیکھئے تنقید متین ص۱۶۷، ۱۶۹۔

[محمد بن السائب، ابو النضر الکلبی کے بارے میں محدثین کرام کے چند اقوال درج ذیل ہیں:

۱۔ سلیمان التیمی نے کہا: '' كان بالكوفة كذابان أحدهما الكلبي '' کوفہ میں دو کذاب تھے، ان میں سے ایک کلبی ہے (الجرح والتعدیل ۲۷۰/۷ وسندہ صحیح)

۲۔ قرہ بن خالد نے کہا: '' كانوا يرون ان الكلبي يرزف يعني يكذب ''لوگ یہ سمجھتے تھے کہ کلبی جھوٹ بولتا

ہے۔(الجرح والتعدیل ۷/ ۲۷۰وسندہ صحیح)

۳۔ سفیان ثوری نے کہا: ہمیں کلبی نے بتایا کہ تجھے جو بھی میری سند سے عن ابی صالح عن ابن عباس بیان کیا جائے تو وہ جھوٹ ہے اسے روایت نہ کرنا (الجرح والتعدیل ۷/ ۲۷۱وسندہ صحیح)

۴۔ یزید بن زریع نے کہا: کلبی سبائی تھا (الکامل لابن عدي ۵/ ۲۱۲۸وسندہ صحیح)

۵۔ محمد بن مہران نے کہا: کلبی کی تفسیر باطل ہے (الجرح والتعدیل ۷/ ۲۷۱وسندہ صحیح)

۶۔ جوزجانی نے کہا: **كذاب ساقط** (احوال الرجال: ۳۷)

۷۔ یحییٰ بن معین نے کہا: **ليس بشيء**، کلبی کچھ چیز نہیں ہے (تاریخ ابن معین، روایۃ الدوری: ۱۳۴۴)

۸۔ ابوحاتم الرازی نے کہا: ''**الناس مجتمعون على ترك حديثه ، لا يشتغل به، هو ذاهب الحديث**'' اس کی حدیث کے متروک ہونے پر لوگوں کا اجماع ہے۔اس کے ساتھ وقت ضائع نہ کیا جائے وہ حدیث میں گیا گزرا ہے (الجرح والتعدیل ۷/ ۲۷۱)

۹۔ حافظ ابن حجر نے کہا: ''**المفسر متهم بالكذب ورمي بالرفض**'' (تقریب التہذیب: ۵۹۰۱)

۱۰۔ حافظ ذہبی نے کہا: ''**تركوه**'' یعنی (محدثین نے) اسے ترک کردیا ہے (المغنی فی الضعفاء: ۵۵۴۵)]

تیسرا راوی باذام ابوصالح ہے۔

۱۔ ابوحاتم الرازی نے کہا: **يكتب حديثه ولا يحتج به** (الجرح والتعدیل ۲/ ۴۳۲)

۲۔ نسائی نے کہا: **ضعيف كوفي** (الضعفاء والمتروکین: ۷۲)

۳۔ بخاری نے اسے کتاب الضعفاء میں ذکر کیا (رقم: تحفۃ الاقویاء ص ۲۱)

۴۔ حافظ ذہبی نے کہا: ''**ضعيف الحديث**'' (دیوان الضعفاء: ۵۴۴)

۵۔ حافظ ابن حجر نے کہا: ''**ضعيف يرسل**'' (تقریب التہذیب: ۶۳۴)

بعض علما نے باذام مذکور کی توثیق بھی کر رکھی ہے مگر جمہور محدثین کی جرح کے مقابلے میں یہ توثیق مردود ہے۔]

(......صاحب)! آپ کو شاید معلوم ہوگا کہ، متروک، ساقط، متہم بالکذب، کذاب، یکذب اور یضع یہ ساری شدید جرحیں ہیں، جن راویوں پر ان الفاظ میں جرح کی گئی ہو اُن کی روایت قابل قبول ہوتی ہے نہ حجت، بالخصوص جب اُن کی کسی نے توثیق بھی نہ کی ہو۔آپ کی پیش کردہ تفسیری روایت کے یہ تینوں راوی ایسی ہی جرح کے حامل مجروح راوی ہیں، ان جھوٹوں کی روایات کو، سچے لوگ ماننا تو درکنار پیش کرنا بھی روا نہیں جانتے،لیکن آپ نے اسے پیش کردیا، اب آپ پر لازم ہے کہ پہلے ان کی ثقاہت ثابت کریں اگر ایسا نہ کرسکیں اور ان شاء اللہ ہرگز نہ کرسکیں گے تو اس روایت کے پیش کرنے سے علانیہ رجوع کریں.آپ کی پیش کردہ اس روایت کی سند سے متعلق حافظ جلال الدین السیوطی لکھتے ہیں: ''**وأوهى طرقه طريق الكلبي عن أبي صالح عن ابن عباس فإن انضم إلى ذلك**

روایة محمد بن مروان السدي الصغیر فھي سلسلة الکذب تمام طرق میں سب سے کمزورترین طریق ''الکلبي عن أبي صالح عن ابن عباس رضي اللہ عنہ '' ہےاوراگراس روایت کی سندمیں محمد بن مروان السدی الصغیر بھی مل جائے تو پھر یہ سند ''سلسلة الکذب'' کہلاتی ہے۔ (الاتقان فی علوم القرآن ج ۲ص ۴۱۶)

واضح رہے کہ یہ سند سلسلۃ الکذب ابوصالح تک ہے'' الصحابة کلھم عدول رضي اللہ عنھم'' صحابہ رضی اللہ عنہم تمام کے تمام عادل ہیں یہ قاعدہ کلیہ ہے، البتہ ان سے روایت کرنے والے بعد کے راویوں کا عادل وثقہ..... ہونا ضروری ہے یہ بھی ایک قاعدہ کلیہ ہے۔

دوسری بات: اگر یہ روایت سنداً صحیح ہوتی بھی تو آپ کے لئے مفید نہ ہوتی، اس کا ترجمہ ہم نے آپ کے معتبر ''مناظرِ اسلام'' حبیب اللہ ڈیروی صاحب سے شروع میں نقل کیا ہے، اور آپ نے آٹھ مسائل (ص ۱۹) سے نقل کرتے ہوئے لکھا ''خشوع کے لئے ضروری ہے کہ رفع یدین بھی نماز میں نہ کرے'' (ص ۱) اس میں کسی خاص موقع کے رفع الیدین کی صراحت نہیں، بلکہ یہ عام الفاظ ہیں جس کی زد میں بعض مقام پر خود احناف بھی آتے ہیں، کیا آپ نماز کے شروع میں رفع الیدین نہیں کرتے؟ کیا آپ وتر کی تیسری رکعت میں دعائے قنوت سے پہلے رفع الیدین نہیں کرتے؟ کیا آپ ہر سال عیدین کی نمازوں میں تکبیرات زائدہ کے ساتھ رفع الیدین نہیں کرتے؟؟؟

اگر آپ کرتے ہیں اور یقیناً کرتے ہیں، تو خود آپ اس روایت کے مخالف ہیں۔ آپ ان تین مقامات کے رفع الیدین کو کس طرح بچائیں گے؟ اور اس قول کے عین برخلاف اپنی پڑھی جانے والی نمازوں کو کس طرح خشوع وخضوع والی نماز ثابت کریں گے؟ جبکہ خشوع کے لئے آپ کے نزدیک نماز کا رفع الیدین سے پاک ہونا ضروری ہے یا آپ کے نزدیک ان تینوں مقامات کے وقت رفع الیدین نماز کا حصہ نہیں؟ آپ کے نزدیک جو بھی اصل صورت حال ہے اُس کی وضاحت کریں، کیونکہ اس میں رکوع سے پہلے اور رکوع سے اٹھتے وقت رفع الیدین سے منع کی صراحت نہیں، کماترى۔ جب اس کی صراحت نہیں تو یہ عام ہوئے، اور جب رکوع سے قبل وبعد کی صراحت نہ ہونے کی وجہ سے عام ہوئے، تو یہ الفاظ آپ کے بھی خلاف ہوئے، اس روایت کے مطابق آپ کی نمازیں بھی خشوع وخضوع کے خلاف ہوئیں فانظر ماذاترى ؟

تیسری بات: آپ نے ہمیں تو صریح الفاظ میں بیان کا حکم دیا جیسا کہ آپ نے لکھا:

''ان سوالوں کا جواب قرآن کریم کی ''صریح'' آیت یا صحیح ''صریح'' غیر متعارض حدیث سے دینا لازم ہے (ص ۴) ''صریح'' کے معنی تو جناب کو معلوم ہوں گے نا؟! واضح، کھلا ہوا، تو جناب نے شرط رکھی کہ آیت ہو تو ''صریح'' حدیث ہو تو صریح۔!

پھر بزعم خود رکوع سے قبل وبعد........ کے رفع الیدین کے خلاف جو پہلی دلیل نقل فرمائی وہ ''غیر صریح'' ہے جس میں سرے سے اس کا ذکر ہی نہیں بلکہ '' لا یرفعون أیدیھم فی الصلاة '' کے عام الفاظ ہیں کہ ''نمازوں میں ہاتھ نہیں اٹھاتے'' کیا اس میں صراحت ہے؟ اگر اصول محض بنانے اور مخالفین کا منہ بند کرانے کے لئے نہیں ہوتے تو

ان عام الفاظ پر خود کیوں عمل نہیں کرتے ؟ کیا آپ جس وقت نماز کی ابتدا میں کانوں کی لوتک رفع الیدین کرتے ہیں اس وقت آپ کے خیال سے آپ نماز میں نہیں ہوتے ؟ اگر نماز میں ہی ہوتے ہیں تو کیوں رفع الیدین کرتے ہیں؟ آپ کی پیش کردہ جھوٹی روایت میں تو یہ ہے ''**لا یر فعون أیدیهم فی الصلاة** '' نماز میں رفع الیدین نہیں کرتے۔ پھر آپ شروعِ نماز میں نیز وتر اور عیدین کی نمازوں میں رفع الیدین کیوں کرتے ہیں؟ الغرض یہ الفاظ عام ہیں آپ کسی طرح بھی اس میں رفع الیدین قبل الرکوع و بعدہ کی صراحت ہرگز ہرگز ثابت نہیں کر سکتے ، جب آپ اپنے ہر ہر عمل کو صریح آیت اور صریح حدیث سے ثابت نہیں کر سکتے تو اپنے مخالفین سے کس منہ سے '' صریح'' کا مطالبہ کرتے ہیں؟ جب تک آپ ان الفاظ میں رکوع سے قبل و بعد کی صراحت ثابت نہیں کرتے اپنے اصول کے مطابق آپ یہ دلیل پیش نہیں کر سکتے کہ اس میں صراحت مفقود ہے۔

چوتھی بات: آپ نے سورۃ المؤمنون کی جو آیت کریمہ نقل فرمائی ۔ یہ مکی سورت ہے جناب محمود الحسن صاحب (دیوبندی) نے ترجمۂ قرآن میں لکھا ہے'' سورہ مؤمنون مکہ میں اتری اس سے واضح ہوتا ہے کہ نماز میں خشوع وخضوع کا حکم مکہ ہی میں نازل ہو چکا تھا ، اب ذرا اس کی تفصیل بھی ملاحظہ فرمایئے کہ '' رفع الیدین'' پر رسول اللہ ﷺ کا عمل خود آپ کی معتبر شخصیت کی تحریر کی روشنی میں کب تک رہا ، اس سے پہلے صحیح بخاری کی ایک حدیث ملاحظہ کیجئے : ''**عن أبي قلابة أنه رأىٰ مالك بن الحويرث إذا صلى كبر ورفع يديه و إذا أراد أن يركع رفع يديه وإذارفع رأسه من الركوع رفع يديه وحدث أن رسول الله صلى الله عليه وسلم صنع هكذا**''

ابو قلابہ فرماتے ہیں میں نے دیکھا مالک بن الحویرث رضی اللہ عنہ کو جب وہ نماز پڑھتے تو تکبیر کہتے اور رفع الیدین کرتے اور جب رکوع کا ارادہ کرتے تو اپنے دونوں ہاتھ اٹھاتے (یعنی رفع الیدین کرتے) اور جب رکوع سے سر اٹھاتے تو رفع الیدین کرتے اور انہوں نے حدیث بیان کی کہ رسول اللہ ﷺ نے بھی اسی طرح کیا۔(صحیح البخاری ، ج ۱ ص ۱۰۲ باب رفع الیدین اذا کبر واذا رکع واذا رفع ، قدیمی کتب خانہ)[یہ حدیث صحیح مسلم ج ۱ ص ۱۶۸ ح ۳۹۱ میں بھی ''**کان يفعل هكذا**'' آپ اسی طرح کرتے تھے ، کے الفاظ کے ساتھ موجود ہے]

اب ذرا اپنی معتبر شخصیت جناب سرفراز خان صفدر صاحب کی سنیں ، وہ کیا فرماتے ہیں : '' حافظ ابن حجر فتح الباری ج ۲ ص ۲۵۰ میں لکھتے ہیں : **مالك بن الحويرث قدم المدينة حين التجهيز للتبوك فأقام عنده عشرين ليلة**، انتہیٰ اور غزوۂ تبوک ۹ ھ میں ہوا تھا ، اُس وقت آنحضرت ﷺ کی عمر مبارک تقریباً باسٹھ (۶۲) سال تھی ۔'' (خزائن السنن حصہ دوم ج ۱ ص ۱۱۴ ، مطبوعہ مکتبہ صفدریہ گوجرانوالہ)

اس حوالے سے واضح ہوتا ہے کہ (سرفراز خان صفدر کے نزدیک بھی) سیدنا مالک بن الحویرث رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ کے تقریباً آخری زمانہ میں آپ ﷺ کو دیکھا اور بیس (۲۰) راتیں آپ ﷺ کے ہاں مدینہ میں قیام فرمایا اس دوران میں انہوں نے آپ ﷺ کو اختتامِ نماز میں اور رکوع سے قبل و بعد رفع یدین کرتے ہوئے دیکھا ، مطلب بالکل واضح ہے کہ ان کی اس حدیث کے مطابق رسول اللہ ﷺ تقریباً (۶۲) سال کی عمر مبارک تک رفع الیدین پر عمل پیرا

رہے، آپ ﷺ (۴۰) سال کی عمر میں نبوت سے سرفراز ہوئے۔اس سے واضح ہوتا ہے کہ نبوت ملنے کے بعد بائیس (۲۲) سال تک آپ ﷺ نماز میں رفع الیدین کرتے رہے، رکوع سے پہلے اور رکوع کے بعد بھی۔ خود آپ کے مسلمہ اصول کے مطابق۔ اب آیئے اپنی پیش کردہ تفسیری روایت کی طرف، یہ تفسیر جس آیت کے تحت بیان کی گئی ہے وہ مکی سورت کی آیت ہے جس میں خشوع وخضوع کا حکم ہے، اور اس تفسیر کے مطابق نماز میں رفع الیدین کرنا خشوع وخضوع کے منافی ہے، اور رفع الیدین نہ کرنا خشوع وخضوع کے مطابق ہے، آپ کی پیش کردہ اس تفسیر کی روشنی میں تو (خاکم بدہن) رسول اللہ ﷺ اپنی باسٹھ (۶۲) سال کی عمر مبارک تک بغیر خشوع وخضوع والی نماز پڑھتے رہے۔ **(نعوذ باللہ من ھٰذا الکفر)**

اور اگر ہم اس سورت کے زمانۂ نزول کو مکی زندگی کے آخری حصہ کو بھی مان لیں تب بھی یہ ثابت ہوگا کہ خشوع کے حکم والی ان آیات کے نازل ہوجانے کے نو (۹) سال بعد تک (معاذ اللہ) رسول اکرم ﷺ اس آیت کریمہ کا مفہوم نہ سمجھ پائے اور اس کے برخلاف نماز میں رفع الیدین کرتے رہے (معاذ اللہ) جو اس تفسیر کی روشنی میں خشوع کے خلاف ہے۔

(معاذ اللہ) جیسا کہ آپ نے لکھا ہے کہ ''خشوع کے لئے ضروری ہے کہ رفع الیدین بھی نماز میں نہ کرے۔''

(ص۱) محترم......صاحب! اللہ تعالیٰ آپ کا ''اقبال'' بلند فرمائے، اگر آپ تعصب، جانبداری، ضد اور ہٹ دھرمی سے دور رہ کر قلبِ سلیم کے ساتھ ٹھنڈے دل سے غور فرمائیں گے تو اپنے علماء کی پیش کردہ نام نہاد تفسیر جو کہ ابو صالح جیسے سخت ضعیف اور السدی الصغیر جیسے کذاب ومتروک راوی اور ''الکلبی'' جیسے رافضی وسبائی، کذاب اور دین اسلام کے خطرناک دشمن نے بیان کی ہے۔آپ ان کی اس چال اور اس روایت کی قباحت وشناعت سے ہرگز انکار نہ کر پائیں گے، ان کذاب لوگوں کی بیان کردہ اس نام نہاد تفسیر کی اس سے بڑھ کر قباحت وشناعت اور کیا ہوسکتی ہے کہ اس سے اتقی الناس واخشع الناس، امام المتقین وامام الخاشعین محمد رسول اللہ ﷺ کی نماز (نعوذ باللہ) خشوع وخضوع سے خالی ثابت ہوئی ہے۔ (نعوذ باللہ) کیا کوئی ادنیٰ ایمان والا شخص بھی کبھی اس کا تصور کرسکتا ہے؟

واللہ! آپ ﷺ کی نماز سے زیادہ کسی انسان کی نماز خشوع وخضوع والی نہیں ہوسکتی، اسی لئے تو حکمِ الٰہی سے آپ نے اپنی اُمت کو اس بات کا حکم دیا کہ '' **صلوا کما رأیتموني أصلي** '' نماز اسی طریقہ سے پڑھو جس طریقہ سے مجھے نماز پڑھتے ہوئے دیکھا۔'' (بخاری:۶۳۱) [اور یہ تو ہمارے اور آپ کے ہاں مسلم ہے کہ نبی کریم ﷺ بغیر وحی کے کسی بات کا حکم نہیں دیتے تھے۔] **فافهم**

واضح رہے کہ یہ تمام تر قباحتیں اس صورت میں لازم آتی ہیں جب آپ یہ کہیں جیسا کہ آپ نے (کتاب آٹھ مسائل (ص۱۹) سے لفظ بہ لفظ نقل کرتے ہوئے لکھا بھی ہے کہ:

''خشوع کے لئے ضروری ہے کہ رفع یدین بھی نماز میں نہ کریں۔'' (آپ کی تحریر ص۱)

ہاں اگر آپ اپنی اس نقل فرمودہ بات سے ''رجوع'' کرلیں تو یہ قباحت لازم نہیں آتی، امید ہے کہ آپ غور فرمائیں گے۔ بصورت دیگر ان تمام باتوں کی اصل حقیقت پیش فرمائیں۔ چلتے چلتے یہ بھی سن لیں کہ رفع الیدین عاجزی وانکساری، خشوع وخضوع اور سکون کے منافی ہرگز ہرگز نہیں بلکہ عین عاجزی وانکساری کا اظہار ہے، اگر آپ تسلیم نہیں کرتے تو

اپنے اکابر علماء میں سے علامہ عبدالحئ حنفی لکھنوی کی منقول عبارت ملاحظہ کیجئے، لکھتے ہیں:

''رفع الیدین عند الإفتتاح و غیرہ ، خضوع ، و استکانة ، و ابتھال و تعظیم للہ تعالیٰ ، و اتباع سنة نبیہ صلی اللہ علیہ وسلم''

رفع الیدین کرنا افتتاح (صلوٰۃ) کے وقت اور اس کے علاوہ خضوع ہے، عاجزی وانکساری ہے، گڑ گڑانا ہے (اللہ کے سامنے) اور اللہ تعالیٰ کی تعظیم ہے اور اس کے نبی ﷺ کی سنت کی اتباع ہے۔

(التعلیق الممجد علی موطا محمد، ج۱ ص۳۷۵، حاشیہ ۳، قدیمی کتب خانہ)

محترم......صاحب! غور کیجئے گا، یہ رفع الیدین رب کے حضور عاجزی وانکساری، خشوع وخضوع کا اظہار صرف عندالافتتاح ہی نہیں بلکہ ''وغیرہ'' اس کے علاوہ دیگر مقام پر بھی ہے جیسے متواتر احادیث کی روشنی میں رکوع سے قبل اور رکوع سے اٹھنے کے بعد، اب یہ تو عجیب بات ہوئی کہ آپ کے ''علامہ'' وکثیر التصانیف معتبر شخصیت ''رفع الیدین'' کا شروع نماز کے علاہ دیگر مقام پر بھی عاجزی وانکساری ہونا نقل فرما کر تسلیم کریں اور آپ اسے خشوع وخضوع کے منافی قرار دیں، اور پھر خود وتر میں روزانہ اور عیدین میں بار بار شروع نماز کے علاوہ بھی اس عمل کو دہرائیں، لیکن تناقض وتضاد کی عمدہ مثال بن کر اسی عمل کو خشوع وخضوع کے خلاف کہنے کی رٹ بھی لگائے رکھیں، خود بگوایں کار نادان نیست؟ پھر آپ تو ماشاء اللہ ایک ''مذہبی مدرسہ'' کے طالب علم ہیں۔!

سوال ①: کیا آپ بتا سکتے ہیں کہ ''رفع الیدین'' شروعِ نماز میں اور درمیان وتر میں اور عیدین کی نمازوں کے درمیان خشوع وخضوع کے خلاف کیوں نہیں اور رکوع سے قبل رکوع سے اٹھنے کے بعد اور تیسری رکعت کے شروع میں خشوع وخضوع کے خلاف کیوں ہے؟

سوال ②: کیا اپنے اس ''خاص دعوی'' کی دلیل خاص قرآن وحدیث کی روشنی میں پیش کر سکتے ہیں؟ یا جواب ندارد والا معاملہ ہے؟

سوال ③: بقول آپ کے نماز میں شروع کے علاوہ ''حدیث'' میں .....نماز کے اندر رفع یدین سے روکنا ہے۔ (دیکھئے اپنی تحریر ص۲ سطر نمبر ۱۲، ۱۳) بس یہ آپ ہی کے الفاظ ہیں بقدر ضرورت ہم نے نقل کر دیئے۔ کیا آپ ثابت کر سکتے ہیں کہ وتر میں جو آپ ''رفع الیدین'' کرتے ہیں وہ نماز کے اندر نہیں ہے؟

سوال ④: کیا آپ رسول اللہ ﷺ سے نماز وتر میں اس رفع الیدین کا ثبوت پیش کر سکتے ہیں؟

امید ہے کہ میرے یہ سوالات آپ کے جوابات کے ''مستحق'' ٹھہریں گے، اللہ کرے ایسا ہی ہو! آمین۔ چونکہ اگر ایسا نہ ہو تو آپ اپنے ہی قول کے مطابق ''گونگے شیطان'' ثابت ہوں گے۔

پانچویں بات: آپ نے لکھا ہے ''خشوع کے لئے ضروری ہے کہ رفع الیدین بھی نماز میں نہ کرے۔'' (ص۱) تو یقیناً خشوع بھی ضروری ہے خاص طور پر جب اللہ سبحانہ وتعالیٰ اور اس کے پیارے رسول ﷺ نے اس کی اہمیت بیان فرمائی ہے، مثلاً اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿ قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ ۝ الَّذِيْنَ هُمْ فِيْ صَلَاتِهِمْ خَاشِعُوْنَ ﴾ یقیناً فلاح پائی مومنوں نے، جو اپنی نماز میں خشوع اختیار کرنے والے ہیں۔ (سورۃ المؤمنون: ۱ تا ۲)

معلوم ہوا کہ فلاح و کامیابی و کامرانی کے لئے خشوع لازمی ٹھہرا بلکہ فلاح کے حصول کی پہلی کڑی ہے۔

﴿ وَاسْتَعِيْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ ۭ وَاِنَّهَا لَكَبِيْرَةٌ اِلَّا عَلَى الْخٰشِعِيْنَ ﴾ اور مدد طلب کرو صبر اور نماز (کے ذریعے) بے شک وہ بہت بھاری ہے مگر خشوع کرنے والوں پر (نہیں)۔ (البقرۃ: ۴۵)

اس آیت مبارکہ سے معلوم ہوا کہ خشوع اختیار کرنے والوں کے علاوہ لوگوں پر نماز بھاری ہے، نماز کو ہمیشگی کے ساتھ برضا و رغبت ادا کرنے کے لئے خشوع کا اختیار کرنا ضروری ہے، اس سے آپ خشوع کی اہمیت کا اندازہ لگا سکتے ہیں کہ یہ کس قدر ضروری ہے کہ اس کے بغیر اقامتِ صلوٰۃ جو بعد از ایمان اولین فریضہ ہے اس کی ادائیگی بھاری ہے۔

سیدنا عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

خمس صلوات افترضهن الله عز وجل، من أحسن وضوئهن وصلاهن لوقتهن وأتم ركوعهن وخشوعهن كان له على الله عهد أن يغفرله ومن لم يفعل فليس له على الله عهد إن شاء غفرله وإن شاء عذبه . اللہ عزوجل نے پانچ نمازیں فرض کی ہیں، جس نے ان کے (ادائیگی کے) لئے اچھا وضو کیا، اور ان کے اوقات پر ان نمازوں کو پڑھا، ان کے رکوع (وسجود) وخشوع کو پورا کیا اس کے لئے اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے کہ وہ اسے بخش دے گا، اور جس نے ایسا نہیں کیا اس کے لئے اللہ تعالیٰ کا کوئی عہد نہیں اگر چاہے تو اسے معاف کر دے اور اگر چاہے تو اسے عذاب دے۔ (موطا امام مالک باب الامر بالوتر ۱۲۳/۱ ح ۲۶۷، سنن النسائی باب المحافظۃ علی الصلوات الخمس ح ۴۶۲، سنن ابی داود باب فی المحافظۃ علی وقت الصلاۃ ح ۱۴۲۰، واللفظ لہ وھو حدیث صحیح)

اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ بخشش ومغفرت کا وعدہ جن سعادت مند لوگوں کے ساتھ خود رب کریم نے فرمایا یہ وہ لوگ ہیں جو نماز کے دیگر لوازمات کے ساتھ ساتھ اس کے خشوع کا بھی خیال رکھیں اور اسے مکمل کریں اگرچہ خشوع کے موضوع پر بکثرت آیات واحادیث مبارکہ وارد ہیں لیکن فی الوقت اختصار مطلوب ہے، پس خشوع کی اہمیت کے ثبوت کے لئے اتنا ہی کافی ہے، یہاں انہیں بیان کرنے کا مقصد صرف اتنا ہے کہ ''خشوع'' ایک مطلوب ومحمود چیز ہے، سو بقول آپ کے ''خشوع کے لئے ضروری ہے کہ رفع یدین بھی نماز میں نہ کرے'' (آپ کی تحریر ص ۱) قصہ مختصر کہ نماز کے لئے خشوع ضروری ہے اور خشوع کے لئے بقول آپ کے ''رفع الیدین'' نہ کرنا ضروری ہے۔ اس بات کو یاد رکھئے گا، اب اپنے اکابر وانتہائی معتبر علماء کی سنیں وہ کیا فرماتے ہیں۔

۱: جناب مفتی تقی عثمانی (دیوبندی) صاحب جنہیں آپ کے حلقہ میں ''شیخ الاسلام'' کہا جاتا ہے وہ فرماتے ہیں:

''البتہ رفع یدین عندالرکوع وعندالرفع منہ میں اختلاف ہے، شافعیہ اور حنابلہ ان دونوں مواقع پر بھی رفع کے قائل ہیں، محدثین کی ایک بڑی جماعت بھی ان کے مسلک کی حامی ہے، جبکہ امام ابوحنیفہ اور امام مالک کا مسلک ترکِ رفع کا ہے، .... یہاں یہ واضح رہے کہ ائمۂ اربعہ کے درمیان یہ اختلاف محض افضلیت اور عدم افضلیت کا

ہے نہ کہ جواز و عدم جواز کا، چنانچہ دونوں طریقے فریقین کے نزدیک بلا کراہت جائز ہیں......''
مزید لکھتے ہیں: ''بعض شافعیہ نے بھی ترکِ رفع پر فساد کا حکم دے دیا، اور حنفیہ میں سے صاحب منیۃ المصلّی نے رفعِ یدین کو مکروہ لکھ دیا، لیکن حقیقت وہی ہے جو ہم نے بیان کی، کہ نہ شافعیہ کے مذہب میں ترکِ رفع مفسدِ صلوٰۃ ہے نہ حنفیہ کے ہاں رفع مکروہ ہے'' (درس ترمذی، باب رفع الیدین عند الرکوع، ج ۲ ص ۲۶)

مسئلہ زیرِ بحث میں آپ کے ''شیخ الاسلام'' مفتی تقی عثمانی صاحب نے جو کچھ بیان فرمایا اس میں سے بقدر ضرورت ہم نے یہاں نقل کیا ہے، آپ اسے بغور پڑھیں، اس میں بغیر کسی ایچ پیچ کے اس بات کو بیان کیا گیا ہے کہ احناف کے ہاں رکوع سے قبل اور بعد رفع الیدین پر عمل بلا کراہت جائز ہے۔ اور یہ عمل مکروہ بھی نہیں، بلکہ تقی عثمانی صاحب تو یہ بھی فرماتے ہیں کہ:

''رفع یدین کے مسئلہ پر ہماری آئندہ گفتگو کا منشاء یہ ثابت کرنا نہیں کہ رفع یدین ناجائز ہے یا احادیث سے ثابت نہیں'' (درس ترمذی، باب رفع الیدین عند الرکوع ج ۲ ص ۲۷ مطبوعہ مکتبہ دار العلوم کراچی)

محترم بھائی......صاحب! آپ کے نزدیک تو رفع الیدین خشوع و سکون کے منافی ہے جیسا کہ آپ نے آٹھ مسائل (ص ۱۹) سے نقل فرمایا کہ ''خشوع کے لئے ضروری ہے کہ رفع یدین بھی نماز میں نہ کرے'' آپ خشوع کے لئے جس عمل سے بچنا اس کا نہ کرنا ''ضروری'' سمجھتے ہیں جی ہاں ضروری! آپ کے ''عظیم مفتی'' اور ''شیخ الاسلام'' اس چیز پر عمل کرنا ''ناجائز'' و ''مکروہ'' تو کجا بلا کراہت جائز سمجھتے ہیں، اور اسے حقیقت میں ''حنفیہ کا مذہب'' بتلاتے ہیں۔ جیسا کہ خط کشیدہ وجلی حروف میں لکھا ہوا ہے۔

قرآن وسنت سے تو یہ واضح ہوتا ہے کہ ''خشوع وخضوع'' بالخصوص نماز میں انتہائی مطلوب اور اہم عمل ہے، تو کیا ایسا عمل جو خشوع جیسے عظیم عمل کے خلاف ہو اس میں خلل ڈالتا ہو وہ بلا کراہت جائز ہوسکتا ہے؟ یقیناً نہیں، بالکل نہیں اور ہرگز ہرگز نہیں! ایسے عمل کو تو ناجائز و مکروہ ہونا چاہیے اس میں تو کراہت ہونی چاہیے اور خاص طور پر ایسا عمل خشوع حاصل کرنے کے لئے جس کا نہ کرنا ضروری ہو۔ لیکن آپ کے ''شیخ الاسلام'' صاحب تو رفع یدین کو ناجائز و مکروہ نہیں کہتے اور احناف کے نزدیک اس پر عمل بلا کراہت جائز بتلاتے ہیں۔

پس معلوم ہوا کہ نماز میں رفع الیدین خشوع کے خلاف نہیں ہے بلکہ رسول اللہ ﷺ کی اتباع ہے اور یہ عین خشوع اور رب کے حضور عاجزی وانکساری کا اظہار ہے جیسا کہ آپ کے معتبر عالم علامہ عبدالحیٔ لکھنوی سے ہم نقل کر آئے ہیں۔ نیز یہ بھی معلوم ہوا کہ خشوع کے خلاف قرار دینے والے اور اسی لئے رفع یدین نہ کرنا ضروری قرار دینے والے خود اپنے ''حنفی مذہب'' کے علم سے نابلد و کورے ہیں کہ ان کے ''شیخ الاسلام و عظیم مفتی'' بلا کراہت جائز قرار دیتے ہیں اور یہ نہ کرنا ضروری قرار دیتے ہیں۔

......صاحب! کیا آپ بتانا پسند فرمائیں گے کہ آپ کے ''شیخ الاسلام'' و ''عظیم مفتی محترم'' تقی عثمانی صاحب اصل حنفی مذہب بیان فرما رہے ہیں یا آپ لوگ حنفی مذہب کی غلط ترجمانی کر رہے ہیں؟

یاد رہے کہ ''جواب دینا لازم ہے'' اور جواب سے سکوت کر کے ''گونگا شیطان بننا'' خود جناب کا فرمودہ و بیان کردہ اصول ہے۔ (دیکھئے اپنی تحریر ص ۴ کا آخری پیراگراف) سو اس اصول کی روشنی میں ناچیز کا خیال ہے کہ آپ اپنا ناپسندیدہ ''گونگے شیطان'' کا کردار بننا گوارا نہیں فرمائیں گے، واللہ الموفق وھوأعلم بالصواب۔

[صوفی عبدالحمید سواتی دیوبندی لکھتے ہیں کہ: ''رکوع جاتے وقت اور اس سے اُٹھتے وقت رفع یدین نہ کرنا زیادہ بہتر اور اگر کرلے تو جائز ہے'' / نماز مسنون ص ۳۴۹ مطبوعہ ۱۹۸۶ء]

سوال ①: آپ نے تو رفع الیدین رکوع سے پہلے اور اس کے بعد کو منسوخ قرار دیا ہے، کیا کسی منسوخ حکم پر عمل کرنا بلا کراہت جائز ہو سکتا ہے؟ جبکہ وہ عمل خشوع کے بھی سخت خلاف ہو؟

سوال ②: بلا کراہت تو ایک طرف کیا منسوخ پر بکراہت بھی عمل جائز ہو سکتا ہے؟

سوال ③: رفع الیدین عندالرکوع و بعدالرفع منہ بقول آپ کے منسوخ ہے، اور بقول آپ کے ''شیخ الاسلام و عظیم مفتی'' اس پر بلا کراہت عمل جائز ہے تو کیا ہر ہر منسوخ شے پر بلا کراہت عمل جائز ہے یا صرف رفع الیدین ہی پر باوجود منسوخ ہونے کے عمل جائز ہے؟

اسی طرح سرفراز خان صفدر صاحب فرماتے ہیں: ''شاہ ولی اللہ صاحب حجۃ اللہ البالغہ (ج ۲ ص ۱۰) میں لکھتے ہیں۔

'' **والذي يرفع أحب إلى ممن لا يرفع فإن أحاديث الرفع أكثر و أثبت** '' یعنی جو رفع الیدین کرتا ہے مجھے زیادہ محبوب ہے بنسبت اس کے جو رفع الیدین نہیں کرتا پس بے شک رفع الیدین کی احادیث بہت کثرت سے اور زیادہ ثابت شدہ ہیں۔'' (نقل بقدر ضرورت۔ من خزائن السنن ج ۱ حصہ دوم ص ۹۲) کہیں یہ مت سمجھ لیجئے گا کہ یہ تکبیر تحریمہ کے رفع الیدین سے متعلق فرمایا گیا ہے، اس لئے کہ یہ بات شاہ ولی اللہ صاحب نے رکوع کے رفع الیدین سے متعلق بحث میں لکھی ہے۔ (دیکھئے۔ حجۃ اللہ البالغہ ج ۲ ص ۲۴ تا ۲۵۔ مطبوعہ قدیمی کتب خانہ)

آپ کے قول و اصول کے مطابق کیا شاہ صاحب کو خلاف خشوع عمل کرنے والے زیادہ محبوب تھے؟

[شاہ ولی اللہ وغیرہ کے یہ اقوال بطورِ الزام پیش کئے گئے ہیں۔ ان علماء کا ترک رفع یدین کو جائز سمجھنا احادیث صحیحہ کے مخالف ہونے کی وجہ سے مردود ہے]

[ابو حمزہ (عمران بن ابی عطاء الاسدی، تابعی) رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ: ''رأیت ابن عباس یرفع یدیہ إذا افتتح الصلوٰۃ وإذا رکع وإذا رفع رأسہ من الرکوع'' میں نے (سیدنا) ابن عباس (رضی اللہ عنہما) کو دیکھا کہ وہ شروع نماز، رکوع سے پہلے اور رکوع سے سر اُٹھاتے وقت رفع یدین کرتے تھے۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱ ص ۲۳۵ ح ۲۴۳۱ وسندہ حسن)

یہ روایت مسائل الامام احمد (روایۃ عبداللہ بن احمد ۱/۲۴۴ ح ۳۳۱) مصنف عبدالرزاق (۲/۶۹ ح ۲۵۲۳) اور جزء رفع الیدین للبخاری (ح ۲۱) میں بھی موجود ہے۔ طاؤس (تابعی) فرماتے ہیں کہ میں نے عبداللہ (بن عباس) کو نماز میں رفع یدین کرتے ہوئے دیکھا ہے۔ (جزء رفع الیدین: ۲۸ وسندہ صحیح) سیدنا ابن عباس کا نماز میں رفع یدین کرنا اس بات کی واضح دلیل ہے کہ نماز میں رفع یدین خشوع و خضوع کے خلاف نہیں ہے۔]

حافظ شیر محمد

سیدنا سعید بن زید رضی اللہ عنہ سے محبت

سیدنا ابوالاعور سعید بن زید بن عمرو بن نفیل القرشی العدوی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ:

''واللہ لقد رأیتني وإنّ عمر لموثقي علی الإ سلام قبل أن یسلم عمر ، ولوأنّ أُحدًا ارفضّ للذي صنعتم بعثمان لکان محقوقاً أن یرفضّ''

اللہ کی قسم! مجھے وہ وقت یاد ہے جب عمر (رضی اللہ عنہ) نے اسلام قبول کرنے سے پہلے، مجھے اسلام قبول کرنے کی وجہ سے باندھ رکھا تھا۔ تم لوگوں نے (سیدنا) عثمان (رضی اللہ عنہ) کے ساتھ جو کچھ کیا ہے اگر اس کی وجہ سے اُحد (کا پہاڑ) اپنی جگہ سے ہٹ جاتا تو یہ اس کے مستحق تھا کہ ہٹ جائے۔ (صحیح البخاری: ۳۸۶۲)

معلوم ہوا کہ سیدنا سعید بن زید رضی اللہ عنہ السابقین الاولین میں سے اور قدیم الاسلام ہیں۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی زبانِ مبارک سے فرمایا:

''وسعید بن زید فی الجنة'' اور سعید بن زید جنتی ہیں۔ (سنن الترمذی: ۳۷۴۷ وسندہ صحیح، الحدیث: ۱۹ ص ۵۶)

حافظ ذہبی فرماتے ہیں کہ:

''أحد العشرة المشهود لهم بالجنة ، ومن السابقین الأ ولین البدریین ، ومن الذین رضي اللہ عنهم ورضوا عنه، شهد المشاهد مع رسول اللہ علیه وسلم وشهد حصار دمشق وفتحها ، فولاہ علیها أبو عبیدة بن الجراح ، فهو أول من عمل نیا بة دمشق من هذه الأمة''

آپ عشرہ مبشرہ میں سے ہیں، انہیں جنت کی خوش خبری دی گئی ہے، آپ سابقین اولین اور بدری صحابیوں میں سے تھے جن سے اللہ راضی ہے اور وہ اللہ سے راضی ہیں۔ آپ (تمام) غزوات میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ شریک رہے۔ آپ دمشق کے محاصرے اور فتح کے وقت (وہاں) موجود تھے۔ آپ کو (سیدنا) ابوعبیدہ بن الجراح (رضی اللہ عنہ) نے دمشق کا والی بنایا اور اس امت میں دمشق کے سب سے پہلے نائب آپ ہی تھے۔ (سیر اعلام النبلاء ج ۱ ص ۱۲۴، ۱۲۵)

تنبیہ: سیدنا سعید بن زید رضی اللہ عنہ غزوۂ بدر کے موقع پر مدینہ میں حاضر نہیں تھے بلکہ شام میں تھے۔ دیکھئے الاصابة فی تمییز الصحابة (ج ۲ ص ۴۶ ح ۳۲۶۱)

غزوۂ بدر کے مالِ غنیمت میں آپ کا حصہ مقرر کیا گیا تھا (جس کی وجہ سے آپ کو بدری کہا جاتا ہے)۔

دیکھئے معرفۃ الصحابۃ لابی نعیم الاصبہانی (ج ۱ ص ۱۴۱ بسند صحیح عن محمد بن اسحاق بن یسار، ص ۱۴۲ بسند صحیح عن معمر)

غالبًا اسی وجہ سے امام نافع (مولیٰ ابن عمر رضی اللہ عنہ) کی روایت میں آیا ہے کہ: '' وکان بدریاً '' اور وہ (سعید بن زید) بدری تھے۔ (معرفۃ الصحابۃ ص ۱۴۳ وسندہ صحیح)

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی بہن فاطمہ بنت الخطاب (رضی اللہ عنہا) آپ کی زوجہ محترمہ تھیں جن کے بارے میں ایک ضعیف روایت میں آیا ہے کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اپنی بہن اور بہنوئی کو اسلام لانے کی وجہ سے مار مار کر لہولہان کر دیا تھا۔ پھر انہوں نے (وضوء یا غسل) کر کے قرآن مجید کی تلاوت کی تھی اور مسلمان ہو گئے تھے (!)

(دیکھئے الحدیث: ۲۲ ص ۲۴۔۲۷)

سعید بن زید رضی اللہ عنہ کے والد زید بن عمرو بن نفیل توحید اور دین ابراہیمی پر تھے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے نبی مبعوث ہونے سے پہلے ہی فوت ہو گئے تھے۔ سیدہ اسماء بنت ابی بکر الصدیق رضی اللہ عنہما فرماتی ہیں کہ:

''میں نے دیکھا، زید بن عمرو بن نفیل کعبہ سے پیٹھ لگائے، کھڑے ہو کر یہ کہہ رہے تھے کہ: اے قریشیو! اللہ کی قسم، میرے سوا تم میں سے کوئی بھی دینِ ابراہیم پر نہیں ہے۔ (اسماء رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ:) وہ (زید) لڑکیوں کو زندہ در گور نہیں کرتے تھے۔ اگر کوئی شخص اپنی بیٹی کو قتل کرنا چاہتا تو یہ اس سے کہتے: اسے قتل نہ کر، اس کے تمام اخراجات میں اپنے ذمہ لیتا ہوں، پھر وہ اس لڑکی کو لے لیتے تھے۔ جب وہ بڑی عمر کی ہو جاتی تو اس کے باپ سے کہتے: اگر تو چاہے تو تیری لڑکی تیرے حوالے کر دوں، ورنہ میں ہی اُس کے سارے معاملات پورے کروں گا۔ (صحیح بخاری: ۳۸۲۸)

زید بن عمرو وہ ذبیحہ نہیں کھاتے تھے جو بتوں کے آستانوں پر ذبح کیا جاتا تھا یا جس پر ذبح کے وقت اللہ کا نام نہیں لیا جاتا تھا۔ زید بن عمرو قریشِ مکہ کو ملامت کرتے ہوئے کہتے کہ: بکری کو اللہ نے پیدا کیا ہے، اس کے لئے آسمان سے پانی اللہ نے برسایا ہے اور زمین سے اس کے لئے سبزہ (اللہ نے) اُگایا ہے۔ پھر تم اسے غیر اللہ کے نام پر ذبح کرتے ہو!؟ وہ قریش والوں پر (اس شرک کی وجہ سے) سخت انکار کرتے تھے۔ (صحیح بخاری: ۳۸۲۶)

زید بن عمرو نے تحقیق کرنے کے بعد اپنے دونوں ہاتھ آسمان کی طرف اُٹھائے اور دعا فرمائی:

'' اللهم إني أشهد أني على دين إبراهيم '' اے اللہ! میں گواہی دیتا ہوں کہ میں دین ابراہیم پر ہوں۔

(صحیح بخاری طبع ملا)

زید بن عمرو کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: '' يأتي يوم القيامة أمة وحده '' وہ قیامت کے دن ایک امت (کی حیثیت سے) ہو کر آئے گا۔

(المستدرک للحاکم ۲۱۶/۳ ح ۴۹۵۶ وسندہ حسن، وصححہ الحاکم علی شرط مسلم وأقرہ الذہبی فی التلخیص)

اَروی نامی ایک عورت نے سیدنا سعید بن زید رضی اللہ عنہ پر مروان بن الحکم الاموی کی عدالت میں جھوٹا دعویٰ کر دیا کہ انہوں نے میری زمین پر قبضہ کر لیا ہے۔ عدالت میں سعید بن زید رضی اللہ عنہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک حدیث سُنا کر فرمایا:

'' اللهم إن كا نت كا ذبة فعم بصر ها و اقتلها في أر ضها '' اے میرے اللہ! اگر یہ عورت جھوٹی ہے تو اسے اندھا کر دے اور اسے اس کی زمین میں ہلاک کر۔

راویٔ حدیث (عروہ) کہتے ہیں کہ: وہ عورت مرنے سے پہلے اندھی ہوگئی اور پھر وہ ایک دن اپنی زمین پر چل رہی تھی کہ ایک گڑھے (کنویں) میں گر کر مرگئی۔ (صحیح مسلم: ۱۶۱۰ وترقیم دارالسلام: ۴۱۳۴)

اولیاء اللہ سے دشمنی کا یہ انجام انتہائی عبرت ناک ہے مگر پھر بھی لوگ باز نہیں آتے۔ سیدنا سعید بن زید رضی اللہ عنہ کی بہت کم روایات ہم تک پہنچی ہیں جن میں سے دو حدیثیں صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں ہیں۔

ایک دفعہ کوفہ کی بڑی مسجد میں کسی (ظالم اور بدنصیب) شخص نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو بُرا کہا تو سیدنا سعید بن زید رضی اللہ عنہ نے اس پر سخت انکار کیا اور وہاں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وہ حدیث سنائی جس میں عشرہ مبشرہ کے جنتی ہونے کا ذکر ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: '' أبو بكر فی الجنة ، وعمر فی الجنة ، وعثمان فی الجنة ، وعلي فی الجنة '' اِلخ ابوبکر جنتی ہیں، عمر جنتی ہیں، عثمان جنتی ہیں اور علی جنتی ہیں... الخ سعید بن زید رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

'' والله لمشهد شهده رجل يغبر فيه وجهه مع رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم أفضل من عمل أحد كم ولو عمّر عمر نوح عليه السلام '' اللہ کی قسم! جو شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کسی معرکے میں حاضر رہا ہے اور اس کے چہرے پر غبار پڑا ہے وہ تمہارے تمام (نیک) اعمال سے افضل ہے اگرچہ تمہیں نوح علیہ السلام کی عمر بھی مل جائے۔
(دیکھئے مسند احمد ج ۱ ص ۱۸۷ ح ۱۶۲۹ وسندہ صحیح)

معلوم ہوا کہ صحابہ کرام کے غبار کو بھی کسی نیک انسان کا عمل نہیں پہنچ سکتا۔ سبحان اللہ

نافع (تابعی) فرماتے ہیں کہ آپ (۵۰ھ یا ۵۲ھ تو میں) عقیق (مدینہ سے باہر ایک مقام) پر فوت ہوئے، پھر آپ کو مدینہ لایا گیا اور آپ (مدینہ میں) دفن کئے گئے۔ (طبقات ابن سعد ج ۳ ص ۳۸۴ وسندہ حسن)

آپ جمعہ کے دن فوت ہوئے تھے، آپ کی وفات کی خبر پہنچی تو (سیدنا) ابن عمر (رضی اللہ عنہما) عقیق چلے گئے اور (مصروفیت کی وجہ سے) نماز جمعہ چھوڑ دی۔ (ابن سعد ۳/۳۸۴ وسندہ صحیح)

عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے انہیں حنوط (خوش بو) لگایا اور اُٹھا کر مسجد لے گئے، پھر آپ کا جنازہ پڑھا اور دوبارہ وضوء نہ کیا۔
(طبقات ابن سعد ۳/۳۸۴ وسندہ صحیح)

نافع سے روایت ہے کہ سعید بن زید بدری صحابی تھے۔ سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما کو معلوم ہوا کہ وہ (سیدنا سعید بن زید رضی اللہ عنہ) جمعہ کے دن بیمار ہیں تو انہوں نے سورج بلند ہونے اور نماز جمعہ قریب ہونے کے باوجود جمعہ چھوڑ دیا اور سعید بن زید رضی اللہ عنہ کے پاس تشریف لے گئے۔ (صحیح بخاری: ۳۹۹۰) رضي الله عنه

سیدنا ابوعبیدہ ابن الجراح رضی اللہ عنہ سے محبت کے لئے دیکھئے الحدیث: ۲۵

احسن الحدیث　بسم اللہ الرحمن الرحیم　حافظ ندیم ظہیر

سیدنا زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کا مقام

﴿وَاِذْ تَقُوْلُ لِلَّذِیْٓ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَیْهِ وَاَنْعَمْتَ عَلَیْهِ اَمْسِكْ عَلَیْكَ زَوْجَكَ وَاتَّقِ اللّٰهَ وَتُخْفِیْ فِیْ نَفْسِكَ مَا اللّٰهُ مُبْدِیْهِ وَتَخْشَی النَّاسَ ۚ وَاللّٰهُ اَحَقُّ اَنْ تَخْشٰهُ ؕ فَلَمَّا قَضٰی زَیْدٌ مِّنْهَا وَطَرًا زَوَّجْنٰكَهَا لِكَیْ لَا یَكُوْنَ عَلَی الْمُؤْمِنِیْنَ حَرَجٌ فِیْٓ اَزْوَاجِ اَدْعِیَآئِهِمْ اِذَا قَضَوْا مِنْهُنَّ وَطَرًا ؕ وَكَانَ اَمْرُ اللّٰهِ مَفْعُوْلًا﴾

اور جب آپ اس شخص کو، جس پر اللہ نے بھی احسان کیا اور آپ نے بھی، یہ کہہ رہے تھے کہ: ''اپنی بیوی کو اپنے پاس رکھو اور اللہ سے ڈرو'' تو اس وقت آپ ایسی بات اپنے دل میں چھپا رہے تھے جسے اللہ ظاہر کرنا چاہتا تھا۔ آپ لوگوں سے ڈر رہے تھے حالانکہ اللہ زیادہ حقدار ہے کہ آپ اس سے ڈریں۔ پھر جب زید اس عورت سے اپنی حاجت پوری کر چکا تو ہم نے آپ سے اس (عورت) کا نکاح کر دیا، تاکہ مومنوں پر ان کے منہ بولے بیٹوں کی بیویوں کے بارے میں کوئی تنگی نہ رہے جبکہ وہ ان سے حاجت پوری کر چکے ہوں اور اللہ کا حکم ہو کر رہنے والا ہے۔ [الاحزاب:۳۷]

فقہ القرآن:

۱: سیدنا زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ (اپنی بیوی کی) شکایت کرنے (نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس) آئے تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ((اتق الله و أمسك علیك زوجك)) اللہ سے ڈرو اور اپنی بیوی کو اپنے پاس ہی رکھو۔ [بخاری:۷۴۲۰]

۲: سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ یہ آیت ﴿وَتُخْفِیْ فِیْ نَفْسِكَ مَا اللّٰهُ مُبْدِیْهِ﴾ سیدہ زینب بنت جحش اور زید بن حارثہ کی شان میں نازل ہوئی ہے۔ [بخاری:۴۷۸۷]

۳: سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کچھ چھپانے والے ہوتے تو اس (مذکورہ آیت) کو چھپاتے۔ [بخاری:۷۴۲۰]

۴: اللہ تعالیٰ نے اولاً اہل اسلام پر منہ بولے بیٹے کی حیثیت کو منکشف کیا۔ (دیکھئے شمارہ:۱۲) پھر متبنّٰی کی (سابقہ) اہلیہ سے نکاح کروا کر یہ واضح کر دیا کہ منہ بولے بیٹے کی حقیقت ﴿اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَةٌ﴾ سے زیادہ نہیں ہے۔

۵: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم شرم و حیا کے پیکر تھے۔

۶: حق کی نشر و اشاعت میں لوگوں کے طعن و تشنیع سے بے پروا ہو کر خوف الٰہی کو اختیار کرتے ہوئے اس کی تبلیغ و ترویج میں کوشاں رہنا چاہئے۔

۷: سیدنا زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کی فضیلت کا بیان کہ اللہ تعالیٰ نے ان کا نام قرآن مجید میں درج کر کے قیامت تک کے لئے مومنوں کی زبان پر جاری کر دیا۔

۸: سیدہ زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا کی فضیلت کا بیان کہ اللہ تعالیٰ نے ان کا نکاح (سات) آسمانوں پر (سے) طے پایا۔ [بخاری:۷۴۲۰]

ھدیۃ المسلمین حافظ زبیر علی زئی

نماز ظہر کا وقت

حدیث:٦ '' عن أنس بن مالك قال : كنا إذا صلينا خلف رسول الله صلى الله عليه وسلم بالظهائر سجدنا على ثيابنا اتقاء الحر ''

انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ: جب ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے ظہر کی نمازیں پڑھتے تھے تو گرمی سے بچنے کے لئے اپنے کپڑوں پر سجدہ کرتے تھے۔

(صحیح البخاری:۱/۷۷ ح ۵۴۲، واللفظ لہ وصحیح مسلم:۱/۲۲۵ ح ۲۲۰)

فوائد :

(۱) اس روایت اور دیگر احادیث صحیحہ سے ثابت ہوتا ہے کہ نماز ظہر کا وقت زوال کے ساتھ شروع ہو جاتا ہے، اور ظہر کی نماز اول وقت پڑھنی چاہئے۔

(۲) اس پر اجماع ہے کہ ظہر کا وقت زوال کے ساتھ شروع ہو جاتا ہے۔ (الافصاح لابن ہبیرۃ: ج ا ص ۷٦)

(۳) جن روایات میں آیا ہے کہ جب گرمی زیادہ ہو تو ظہر کی نماز ٹھنڈے وقت میں پڑھا کرو ان تمام احادیث کا تعلق سفر کے ساتھ ہے جیسا کہ صحیح البخاری (ج ا ص ۷۷ ح ۵۳۹) کی حدیث سے ثابت ہے، حضر (گھر، جائے سکونت) کے ساتھ نہیں۔ جو حضرات سفر والی روایات کو حدیث بالا وغیرہ کے مقابلہ میں پیش کرتے ہیں، ان کا موقف درست نہیں۔ انہیں چاہئے کہ یہ ثابت کریں کہ نبی ﷺ نے مدینہ منورہ میں ظہر کی نماز ٹھنڈی کر کے پڑھی ہے۔!؟

(۴) ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ:

''جب سایہ ایک مثل ہو جائے تو ظہر کی نماز ادا کرو اور جب دو مثل ہو جائے تو عصر پڑھو۔''

(موطا امام مالک:۱/۸ ح ۹)

اس کا مطلب یہ ہے کہ ظہر کی نماز زوال سے لے کر ایک مثل تک پڑھ سکتے ہیں، یعنی ظہر کا وقت زوال سے لے کر ایک مثل تک ہے اور عصر کا وقت ایک مثل سے لے کر دو مثل تک ہے۔ مولوی عبدالحئی لکھنوی نے التعلیق الممجد (ص ۴۱ حاشیہ ۹) میں اس موقوف اثر کا یہی مفہوم لکھا ہے، یہاں بطور تنبیہ عرض ہے کہ اس ''اثر'' کے آخری حصہ ''فجر کی نماز اندھیرے میں ادا کر'' کی دیوبندی اور بریلوی دونوں فریق مخالفت کرتے ہیں، کیونکہ یہ حصہ ان کے مذہب سے مطابقت نہیں رکھتا۔

(۵) سُوید بن غفلہ رحمہ اللہ نماز ظہر اول وقت ادا کرنے پر اس قدر ڈٹے ہوئے تھے کہ مرنے کے لئے تیار ہو گئے، مگر یہ گوارا نہ کیا کہ ظہر کی نماز تاخیر سے پڑھیں اور لوگوں کو بتایا کہ ہم ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما کے پیچھے اول وقت میں نماز ظہر ادا کرتے تھے۔ (مصنف ابن ابی شیبہ:۱/۳۲۳ ح ۳۲۷۱)